اہل حدیث اور ائمہ امت

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہم کسی طرح بھی تاریخی ارتقاء کے منکر نہیں اور زمانے کے ناگزیر تقاضوں کے تحت فقہ وکلام کے سلسلے میں ہمارے ہاں جلیل القدر علماء اور ائمہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان سے ذرہ برابر صرف نظر نہیں کرتے، ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فکری وآئینی کاوشیں، امام شافعی کی اصول فقہ وحدیث کی ترتیب، امام مالک کا اصحاب مدینہ کے تعامل کو دست برد زمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لینا اور امام احمد ابن حنبل کی جمع حدیث کی وسیع تر کوششیں ہماری تہذیبی انفرادیت کا ثبوت ہیں، اور یہ ایسی چیز ہے جن پر ہم جس قدر بھی فخر وناز کریں کم ہے۔ ہم حق کو ان سب مدارس فکر میں، جن کی ان بزرگوں نے بنیاد رکھی، دائر وسائر تو مانتے ہیں، لیکن محصور منحصر کسی میں بھی نہیں جانتے، کیونکہ ہمارے نقطہ نگاہ سے صحت وصواب کی استواریاں غیر مشروط طور پر صرف کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

(مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ، حوالہ: اہل حدیث کا منہج
اور احناف سے اختلاف کی حقیقت ونوعیت صفحہ: ۱۸،۱۹)

اپریل ۲۰۱۸ء / رجب ۱۴۳۹ھ

بدل اشتراک......فی شمارہ: 15 روپے • سالانہ: 150 روپے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو۔ ایل۔ بی۔ ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com

نگارشات

حلقۂ قرآن

ایمان اور عمل صالح کے ثمرات

محمد ایوب اثری

(وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ) (نور: ۵۵)

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں''۔

تشریح : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان اور عمل صالح کرنے والے بندوں سے تین وعدے کئے ہیں اور وہ الحمدللہ تینوں وعدے خلافت راشدہ وعہد خیر القرون میں پورے ہوئے۔

قارئین کرام : اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کرنے والے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور خلافت ارضی عطا فرمائے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جیسا کہ فرمایا: (وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا) جب اس آیت کریمہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ وعدہ الٰہی خلافت راشدہ وعہد خیر القرون میں پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ لیکن بعض نے اس وعدہ الٰہی کو صحابہ کرام کے ساتھ یا خلفاء راشدین کے ساتھ خاص قرار دیا ہے لیکن اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔

پہلا وعدہ : خلافتِ ارضی سے متعلق جب ہم احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں نبی اکرم ﷺ کی بے شمار پیشین گوئیاں ملتی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''ان اللہ زویٰ لی الارض فرآیت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا مازوی لی منھا'' (مسلم) اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے سکیڑ دیا پس میں نے اس کے مشرق ومغرب کے حصے کو دیکھا عنقریب میری امت کا دائرۂ اقتدار وہاں تک پہونچے گا جہاں تک میرے لئے زمین سکیڑ دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ عظیم الشان احسان فرمایا کہ صدیق اکبرؓ کو یہ الہام فرمادیا کہ وہ اپنے بعد عمر فاروقؓ کو مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرمادیں آپ کے بعد عمر فاروقؓ نے خلافت کا پورا پورا حق ادا فرمادیا حتیٰ کہ قوت، سیرت، اور کمالِ عدل کے اعتبار سے چشم فلک نے انبیاء کرام کے بعد آپ جیسی کوئی دوسری شخصیت نہ دیکھی ہوگی۔ حکمرانی کی یہ وسعت بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور فارس وشام اور مصر وافریقہ اور دیگر دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور کفر وشرک کی جگہ قرآن وسنت کی مشعلیں ہر جگہ روشن ہوئیں۔

دوسرا وعدہ : استحکام دین کا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین دینِ اسلام ہے جیسا کہ ارشاد ہے: (وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) قرآن کریم کی بے شمار آیات کے ذریعہ اللہ رب العزت نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ شروع اسلام ہی سے لوگوں کی ریشہ دوانیاں اور سعی پیہم رہی ہیں اور ہیں اور رہیں گی کہ اسلام کو ختم کردیا جائے لیکن یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے لاکھ کوششوں کے باوجود یہ ختم ہونے کے لئے نہیں آیا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: (يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ) (توبہ:۳۲) ''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گا گو کافر ناخوش رہیں''۔ بلکہ شاعر کے بقول: اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے، اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے۔ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

تیسرا وعدہ : خوف وخطر کو امن وامان میں بدل دینا۔ شروع اسلام میں جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ان کے سامنے ہر آن خوف وبے اطمینانی کا ماحول تھا ان کے ساتھ کب کیا ہوجائے کہا نہیں جاسکتا تھا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: (وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) (الانفال:۲۶) ''اور اس حالت کو یاد کرو! جب کہ تم زمین میں قلیل تھے، کمزور شمار کئے جاتے تھے۔ اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں، سو اللہ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم شکر کرو''۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ وہ لوگ جن کے ساتھ اللہ رب العزت نے خلافت ارضی، دین کے غلبے اور خوف کے بعد امن عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے صرف اور صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اس کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہیں کریں گے اور جن لوگوں میں ان اوصاف میں سے کسی وصف کی کمی ہوگی یا سرے سے ان سے عاری ہوں گے ان سے ایسا کوئی وعدہ نہیں۔

اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ صحیح ایمان اور عمل صالح والی زندگی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

❖ ❖ ❖

اداریہ

کیا یہ خواتین ملت کا کام ہے

محمد مقیم فیضی

آج کل ملت اسلامیہ ہند مختلف مسائل سے دوچار ہے اور اسے آئے دن کسی نہ کسی تکلیف دہ صورت حال کا سامنا ہے، مرور زمانہ کے ساتھ اس کی سیاسی آواز بہت کمزور ہوگئی ہے، وہ بے سمتی کا شکار ہوگئی ہے، ملکی پیمانے پر اس کے پاس قدآور سیاسی لیڈران نہیں ہیں، مذہبی رہنما اور پیشوا بھی سوجھ بوجھ اور بصیرت کے مطلوبہ معیار پر کھرے اترتے نظر نہیں آتے ہیں، ملت فرقوں میں بٹی ہوئی ہے ہر مصلحت اور مفاد کو مسلکی عینک سے دیکھا جاتا ہے، داخلی رسہ کشی اس پر مستزاد ہے، ذاتی آراء واغراض کے لئے اپنی پبلک کو ادھر ادھر ہانک دیا جاتا ہے، بے عملی اور بے راہ روی مسلمانوں کی شناخت بن چکی ہے، عجب اور خود پسندی کا دور دورہ ہے، نہ کوئی قیادت ہے نہ کوئی منصوبہ ہے، اولویات اور ترجیحات کا تصور ہی گم ہوتا جارہا ہے، اہم اور غیر اہم کی تمیز ہی نہیں رہ گئی ہے، پیسے اور توانائیاں برباد ہورہی ہیں، اخلاقی قدروں کا زوال وانحطاط اپنی مثال آپ ہے، علمی مسائل اور اخلاقی مباحث میں بازاری زبان کا چلن عام ہوتا جارہا ہے، دلائل کی جگہ جذباتی مکالموں نے لے لی ہے، بدقسمتی سے ان دنوں حکومت بھی کافی ستم ظریف ملی ہے، جو مسلمانوں کو الجھانے اور ان کی توانائیوں کو بے فیض کرنے والے ایشوز کو منظر پر لانے میں خاصی مشاق اور طاق واقع ہوئی ہے، مسلسل کئی ماہ سے اس نے امت مسلمہ کو ذہنی اذیتوں سے دوچار کررکھا ہے۔ مسلم پرسنل لاء اور مسلمانوں کے عائلی مسائل کو بنیاد بنا کر اس نے ایسی منصوبہ بند تحریک چھیڑ دی ہے کہ انہیں اپنے دفاع کا راستہ بھی سجھائی نہیں دے رہا ہے، طلاق ثلاثہ کے متعلق عدالت عالیہ میں وہ اپنا مقدمہ ہار چکے ہیں، اس سے پہلے میڈیا میں بھی وہ اپنے موقف کا دفاع کرنے سے قاصر رہے تھے، اس سلسلے میں ابنائے وطن کے درمیان نہایت منفی تاثر گیا، حکومت نے اس موضوع پر بل پیش کردیا ہے، مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے پورے ملک میں احتجاج اور مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے، مگر یہ پہلو حیرت انگیز ہے کہ متصلب حنفی مسلک کی نمائندگی کرنے والوں کی غالب اکثریت پر مشتمل مسلم پرسنل بورڈ جس کے اصحاب حل وعقد سب کے سب دیوبندی مکتب فکر کے بزرگان دین ہیں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ حکومت پر سیاسی دباؤ بنانے کے لئے خواتین ملت کو میدان میں اتارا جائے، پھر اس کے لئے ملک گیر تحریک چلائی گئی، پرجوش خواتین نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، کارنر میٹنگوں اور نکڑوں کے جلسوں میں بالیاقت فاضلات نے تحریکی خطابات کئے، حوصلوں کو مہمیز کرنے والی تقریریں ہوئیں، پھر بازاروں اور گلیوں سے

کالے کالے برقعوں کے جلوس نکلے، میدانوں میں خواتین اسلام کا جم غفیر اکٹھا ہوا تحفظ شریعت پر ہونے والے ولولہ انگیز خطابات کا انھوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر، تالیاں بجا بجا کر گرمجوش خیر مقدم کیا، بڑا کروفر نظر آیا مگر نہ حکومت ہلی نہ دہلی بلکہ ٹس سے مس بھی نہ ہوئی اتنی ساری آوازوں سے اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، اس نسوانی فوج کی مخلصانہ کاوشیں اور چلچلاتی دھوپ میں ملت کے تئیں اس کا اظہارِ درد سرکار دربار پر بے اثر ہی رہا۔ بالآخر تھک ہار کر بورڈ کے لائق و فائق پیشواؤں نے نیا حکمنامہ جاری فرمادیا کہ اب احتجاج اور مظاہروں کا یہ نسوانی سلسلہ بند کردیا جائے اور اصلاح معاشرہ کے جلسے منعقد کئے جائیں۔

سوال یہ ہے کہ جن بزرگان دین نے نبی کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کی اجازت اور مسجد میں خواتین کو آنے سے روکنے پر لگائی ہوئی پابندی کے حکمنامے کو محض مسلکی حس کے تحت فتنے کے نام پر مسترد کردیا اور نوجوان لڑکیوں اور خواتین کو عیدگاہ میں لے جانے کے ان کے تاکیدی حکم کو بھی اسی حوالے سے ناقابل تعمیل ٹھہرادیا وہی لوگ آخر کس حجت کے تحت سیاسی مراحل طے کرانے کے لئے اور کروفر کا اظہار کرنے کے لئے خواتین کو سڑکوں اور میدانوں میں اتارنے کے قائل ہوگئے۔ جب کہ عالم اسلام میں اس کے انتہائی خطرناک تجربے موجود ہیں بلکہ خود ہمارے ملک ہندوستان میں مذہب وملت سے قطع نظر احتجاج اور مظاہروں کے موقعوں پر خواتین کا اغوا کیا گیا، ان پر مجرمانہ حملے ہوئے، ان کی عصمت دری کی گئی اور انہیں اذیت ناک بربریت کا نشانا بنایا گیا ہے۔

اسلام میں عورت کی ذمہ داریاں سیاسی مسائل کو حل کرنے کی نہیں ہیں نہ انہیں سماجی ومعاشرتی بگاڑ کو دور کرنے کے لئے سڑکوں پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے، ان کا اصل دائرۂ عمل ان کا گھر ہے، اسی لئے انہیں گھروں تک محدود رہنے کا باقاعدہ حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى)(الاحزاب:۳۳) صرف نجی ضرورتوں اور مخصوص حالات میں بلاکسی کروفر اور نمائش کے باہر آنے کی اجازت ہے۔حتی کہ دعوت وتبلیغ کی اہمیت کے باوجود ہم نہیں دیکھتے کہ قرون اولی میں داعیات اسلام کے قافلے نکلتے رہے ہوں یا معروف خواتین گھوم گھوم کر تقریریں کرتی ہوں، مناظروں میں حصہ لیتی ہوں، گروپ ڈسکشن میں انہیں نمائندگی دی جاتی ہو۔ یہ سب مغرب ومشرق کی بلائیں ہیں جو عالم اسلام پر بھی مسلط کی گئی ہیں، اور اس بات کے لئے انتھک کوشش اور طویل اور مختصر منصوبہ بندیاں کی گئی ہیں کہ عالم اسلام کی خواتین کو مین اسٹریم میں لایا جائے اور انہیں سماج کی بے رحم لہروں کے حوالے کردیا جائے، سارے حجابات اٹھ جائیں، سارے تحفظات ختم ہوجائیں، جھجک ختم ہو اور اس کی جگہ بے باکی اور دیدہ دلیری پیدا ہوتا کہ ان کا استحصال کیا جائے اور مسلم معاشرے اپنی تباہی میں پورے پورے حصے دار بنیں اور ان شاطر دماغوں کو اپنے شیطانی مشن میں کامیابی بھی ملی مگر نہایت افسوس کا مقام یہ ہے کہ خود علمائے کرام شعوری یا لاشعوری طور پر اس سازش کا حصہ بنیں بلکہ خود اپنے دشمنوں کے سرگرم ترجمان بن جائیں۔

ہم تو نہیں سمجھتے کہ اس احتجاج یا مظاہرے سے مسلمانوں کا

کوئی مقصد حل ہوگا یا حکومت کوئی دباؤ قبول کرے گی، البتہ بی جے پی حکومت کو اس سے فائدہ ضرور ملے گا کہ اس کے ووٹ بینک کو جو مخصوص ذہنیت کے حامل افراد پر مشتمل ہے یہ پیغام جائے گا کہ دیکھیے یہ ہم ہی ہیں جو مسلمانوں کو اپنا زخم چاٹتے رہنے اور تلملاتے اور جھنجھلاتے رہنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اور اس موقع پر بعض لوگوں نے جو یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ آج سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد مسلمان احتجاج کر رہے ہیں کل مان لو اگر بابری مسجد کے متعلق مسلمانوں کے حق میں کورٹ کا فیصلہ آ گیا تو دوسرے لوگ بھی احتجاج اور مظاہرے کریں گے اور ان کے احتجاج اور مظاہرے ضروری نہیں کہ اسی طرح پر امن ہوں گے تب اس وقت کیا ہوگا؟ یہ نکتہ بھی اہم ہے اس پر بھی غور کرنا چاہیے۔ اسی موقع پر بورڈ کے نمائندوں نے فرمایا کہ اسلام میں حلالہ کا کوئی تصور نہیں ہے اور دوسری اہم ملی تنظیم کے ایک نمائندے نے جو اسی مسلک کا ترجمان ہے جس کا علم مسلم پرسنل لا بورڈ والے اٹھائے ہوئے ہیں یہ بیان دیا ہے کہ حلالہ کے مسئلے میں حکومت کی مداخلت نا قابل قبول ہے ہم اس کا دفاع کریں گے کیونکہ یہ شریعت میں مداخلت ہے۔ اب سوال اس بات کا ہے کہ شریعت کی ترجمانی کا حق کسے ہے؟ اور اس کا مصدر کیا ہے، طلاق ثلاثہ کے مسئلے میں قرآن وسنت کے موقف کو صاف صاف مسترد کر دیا جاتا ہے، عملی زندگی میں حلالہ مروجہ جو اسلام میں حرام ہے پوری طرح رائج ہے اور مفتیان کرام برملا اس کے فتوے اور مشورے دیتے ہیں۔ پھر مسلم پرسنل لاء بورڈ نے کیا اپنے مسلک کو ترک کرنے کا اعلان کر دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ بڑی خوش آئند بات ہے، یہی رویہ طلاق ثلاثہ کے متعلق بھی کیوں نہیں اپنایا جاتا؟ اگر اس سلسلے میں بھی کتاب وسنت کے موقف کی طرف رجوع کر لیا گیا ہوتا تو ان سارے ہنگاموں کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ابھی کچھ ہی دنوں پہلے مسلم پرسنل لا بورڈ کا نظم وضبط، باہمی تال میل، اور ممبران کی خود رائی بابری مسجد کے حوالے سے خوب موضوع بحث بنی ہوئی تھی، ایک دوسرے پر الزامات واتہامات کا ایک سلسلہ چل پڑا تھا اور یہ سب ایک ہی مسلک کے نمائندوں کے درمیان ہو رہا تھا، دیگر مسالک اور ان کے نمائندوں کی بورڈ میں جو حیثیت ہے وہ محض تابع مہمل جیسی ہی ہے، بس ان کا کام اکثریت کی آواز میں آواز ملانا ہے خواہ اس کے لئے نصوص کی قربانی دینی پڑے، ضمیر کو دبانا پڑے، احساسات کا گلا گھوٹنا پڑے رواداری اور کشادہ ذہنی کے اثبات کے لئے ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ دوسری صورت میں ملت سے اختلاف کا طعنہ سننا پڑے گا اور جو اکا دکا غیر موثر اور غیر کلیدی قسم کے نمائندے وہاں ہیں انہیں باہر کا راستہ بھی دکھایا جا سکتا ہے۔

ہم اس موقع پر صرف یہی کہنا چاہیں گے کہ اللہ کی مدد کے بغیر اس امت کے مسائل حل نہیں ہو سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد تذبذب اور گومگو کی مسلکی روش اور مسلکی تحفظات کے تحت قرآن وسنت کے نصوص کے ساتھ تعامل سے نہیں مل سکتی ہے، اس کے لئے تو بے لوث ان کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کی ضرورت ہے، اور یہ دونوں عقیدہ احکام، اخلاق اور سیاست کے ہر باب میں رہنمائی اور کامیابی کی ضمانت کے لئے کافی ہیں۔

❖ ❖ ❖

[۱۰]

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

(۵) ابوسلمہ کی وفات کے بعد ان کی آنکھ بند کرتے ہوئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی (درج ذیل) دعا مروی ہے:

"اللهم اغفر لأبي سلمة، وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين، واغفرلنا وله يا رب العالمين، وافسح له في قبره ونور له فيه" (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی اغماض المیت والدعاء له اذا حضر، ۲/ ۶۳۴، حدیث (۹۲۰))۔

اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما، اور ان کے بعد ان کے پسماندگان میں ان کا جانشین بنا، اور اے رب العالمین! ہماری اور ان کی مغفرت فرما، اور ان کی قبر میں کشادگی فرما، اور اس میں ان کے لئے روشنی اور نور عطا فرما۔

ابوسلمہ کے لئے یہ بڑی عظیم دعا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بلندیٔ درجات کی دعا فرمائی، یعنی ان کا درجہ بلند فرما، انہیں ان لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما جنھیں تونے ہدایت عطا فرمائی ہے اور ان کے بعد ان کے پسماندگان مثلاً ان کے اہل واولاد کا جانشین ہوجا، ان کے معاملات ومصالح کی حفاظت فرما اور انہیں اپنے علاوہ کے حوالہ نہ فرما کیونکہ وہ ان کے پسماندگان (یعنی بعد میں باقی) ہیں، اور "غابرین" سے مراد بقیہ لوگ ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

{فأنجيناه وأهله إلا امرأته كانت من الغابرين}(الاعراف: ۸۳)۔

سو ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ انہیں لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے۔

یعنی عذاب میں باقی ماندہ لوگوں میں سے تھی، اور "غبر" کا لفظ اضداد میں سے ہے باقی رہنے کے معنیٰ میں آتا ہے اور جانے کے بھی (دیکھئے: المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، للقرطبی، ۲/ ۵۷۳، وشرح النووی علی صحیح مسلم، ۶/ ۴۷۸، وشرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح، ۴/ ۱۳۷۴)۔

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان **"وافسح له في قبره ونور له فيه"**۔

یعنی ان کی قبر میں کشادگی کردے اور اس کی تاریکی دور فرما" (دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح للملا علی القاری، ۴/ ۸۷)۔

(۶) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز مکہ ومدینہ کے

درمیان خم نامی ایک چشمہ پر ہمارے درمیان خطیب کی حیثیت سے کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد وثنا کی اور پھر ہمیں وعظ ونصیحت کی، پھر فرمایا:

"أما بعد، ألا أيها الناس إنما أنا بشر يوشك أن يأتي رسول ربي فأجيب، وأنا تارك فيكم ثقلين: أولهما كتاب الله، فيه الهدى والنور، [هو حبل الله المتين من اتبعه كان على الهدى، ومن تركه كان على الضلالة] فخذوا بكتاب الله، واستمسكوا به" (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ۴/ ۱۸۷۳، حدیث (۲۴۰۸))۔

حمد وثنا کے بعد، لوگو سنو! میں ایک انسان ہوں، ہوسکتا ہے اللہ کا قاصد (ملک الموت) آئے، اور میں اس کی بات پر لبیک کہہ دوں، اور میں تمہارے درمیان دو ٹھوس بنیادیں چھوڑ کر جارہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اور وہ اللہ کی ایسی رسی ہے کہ جس نے اسے پکڑا وہ راہ یاب ہے اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہ ہے، لہٰذا اللہ کی کتاب کو لے لو اور اسے ہی حرز جاں سمجھو۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے کتاب اللہ کے التزام پر ابھارا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔۔۔الحدیث۔

امام نووی رحمہ اللہ فرمان نبوی "هو حبل الله" (وہ اللہ کی رسی ہے) کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: "کہا گیا ہے کہ اللہ کی رسی سے مراد اس کا عہد وپیمان ہے، اور کہا گیا ہے کہ اللہ کی رضا ورحمت تک پہنچانے والا زینہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کا وہ نور ہے جس کے ذریعہ وہ ہدایت عطا فرماتا ہے" (شرح النووی علی صحیح مسلم، ۱۵/ ۱۹۱)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنا اس کی رحمت، رضا، ہدایت اور اس کی توفیق تک پہنچاتا ہے، واللہ المستعان۔

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے فتنۂ قبر اور سوالوں پر مسلمانوں کے جواب کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

"ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعاً في سبعين، ثم ينور له فيه" (جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، ۴/ ۲۷۴، حدیث (۱۰۷۱)، وابن ابی عاصم، کتاب السنہ، ۲/ ۴۱۶، حدیث (۸۶۴)، علامہ البانی اسے صحیح سنن ترمذی (۲/ ۳۶۹) اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (حدیث/ ۱۲۴۳) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

پھر اس کی قبر میں ستر گز لمبی اور ستر گز چوڑی وسعت کردی جائے گی، پھر اس میں روشنی کردی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی قبر وسیع کر کے ستر گز لمبی اور ستر گز چوڑی کردی جائے گی اور پھر اس وسیع قبر میں روشنی کردی جائے گی (دیکھئے: تحفۃ الاحوذی بشرح سنن الترمذی، ۴/ ۶۸۳)۔

(۸) حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سفید بالوں کو اکھیڑنے سے منع کیا ہے، اور فرمایا ہے:

" إنه نور المسلم"(جامع ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی النہی عن نتف الشیب، ۵/۱۲۵، حدیث: (۲۸۲۱) وابن ماجہ، کتاب الادب، باب نتف الشیب، ۲/۱۲۲۶، حدیث (۳۷۲۱)، ومسند احمد بن حنبل، ۲/۱۷۹، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن ترمذی (۳۶۹/۲) اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ حدیث (۱۲۴۳) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

یہ مسلمان کا نور ہے۔

(۹) حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"من شاب شيبة في الإسلام كانت له نوراً يوم القيامة"(جامع ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل من شاب شیبۃ فی سبیل اللہ، ۴/۱۷۲، حدیث (۱۶۳۴)، وسنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب النہی عن نتف الشیب، ۸/۱۳۶، حدیث (۵۰۶۸) ، وصحیح ابن حبان، بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ۷/۲۵۱، حدیث (۲۹۸۳)، امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اس کے ہم معنیٰ الفاظ میں روایت کیا ہے، کتاب الترجل، باب نتف الشیب، ۴/۸۵، حدیث (۴۲۰۲)، ومسند احمد، ۴/۱۳، ۲۳۶، و۶/۲۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۲۴۸/۳، حدیث: ۱۲۴۴) اور صحیح سنن ترمذی (۲/۱۲۶) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

جس کے بال (بڑھاپے کے سبب) اسلام (کی حالت) میں سفید ہو گئے، وہ قیامت کے روز اس کے لئے روشنی ہوں گے۔

(۱۰) عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من شاب شيبة في سبيل الله كانت له نوراً يوم القيامة"(جامع ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل من شاب شیبۃ فی سبیل اللہ، ۴/۱۷۲، حدیث (۱۶۳۵)، اور فرمایا ہے کہ: "یہ حدیث حسن صحیح ہے" امام ابن حبان نے بروایت ابونجیح سلمی روایت کیا ہے، ۷/۲۵۲، حدیث (۲۹۸۴))۔

جس کے بال (بڑھاپے کے سبب) اللہ کی راہ میں سفید ہو گئے، وہ قیامت کے روز اس کے لئے روشنی ہوں گے۔

(۱۱) عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الشيب نـــــــــور المؤمن، لا يشيب رجل شيبة في الإسلام إلا كانت له بكل شيبة حسنة، ورفع بها درجة"(شعب الایمان للبیہقی، ۵/۲۰۵، حدیث (۶۳۸۷)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (حدیث/ ۱۲۴۳) میں حسن قرار دیا ہے، نیز امام ابو داود رحمہ اللہ نے اس کے ہم معنیٰ الفاظ میں روایت کیا ہے، کتاب الترجل، باب فی نتف الشیب، ۴/۸۵، حدیث (۴۲۰۲))۔

سفید بال مومن کا نور ہے جس کسی شخص کے بال اسلام

میں سفید ہوتے ہیں اسے ہر ہر بال کے عوض ایک ایک نیکی ملتی ہے اور ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

(۱۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

"لا تنتفوا الشيب؛ فإنه نور يوم القيامة، ومن شاب شيبة في الإسلام ، كتب له بها حسنة ، وحط عنه بها خطيئة، ورفع له بها درجة" (صحیح ابن حبان، ۷/ ۲۵۳، حدیث (۲۹۸۵)، اس کی سند علامہ شعیب ارنووط نے حسن کہا ہے، نیز علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۳/ ۲۴۷، حدیث: ۱۲۴۳) میں حسن قرار دیا ہے)۔

سفید بال نہ اکھیڑو، کیونکہ وہ قیامت کے روز روشنی ہوگا، اور جس شخص کے بال اسلام میں سفید ہوگئے ، اس کے لئے اس کے عوض ایک نیکی لکھی جائے گی ، ایک گناہ مٹایا جائے گا اور ایک درجہ بلند ہوگا۔

اس معنیٰ کی بیشمار حدیثیں ہیں، جو دس سے زائد صحابۂ کرام سے مروی ہیں، مذکورہ پانچ حدیثیں سفید بالوں کی فضیلت بیان کرتی ہیں اور یہ کہ انہیں نہ اکھیڑا جائے، کیونکہ وہ مسلمان کا نور اور وقار ہیں، اور وقار انسان کو غرور وتکبر سے روکتا ہے اور اسے اطاعت اور توبہ کی طرف مائل کرتا ہے، اس کی نفسانی خواہشات سرد پڑجاتی ہیں، چنانچہ وہ اس کا نور بن جاتا ہے جو حشر کی تاریکیوں میں اس کے آگے آگے چلے گا' یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کردے گا (دیکھئے: شرح الطیبی بر مشکاۃ المصابیح، ۹/ ۲۹۳۴)، چنانچہ سفید بال بذات خود نور ہوجائے گا جس سے وہ شخص ہدایت یاب ہوگا، اور قیامت کے روز اس کے سامنے دوڑے گا' اور بال کی سفیدی گرچہ بندہ کی اپنی کمائی نہیں ہوتی، لیکن اگر اس کا سبب جہاد یا خوف الٰہی ہوتو اسے اس کے قائم مقام سمجھا جائے گا، چنانچہ داڑھی، مونچھ' عنفقہ (نچلے ہونٹ اور داڑھ کے درمیانی بال) اور ابرو کے سفید بالوں کو اکھیڑنا مکروہ ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حرام کہا جائے تو بھی بعید (مبالغہ) نہ ہوگا (دیکھئے: فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر للمناوی، ۶/ ۱۵۶، وتحفۃ الاحوذی للمبارکفوری، ۵/ ۲۶۱)۔

اور جو اس سفیدی کو سیاہی سے تبدیل کرے گا (کالا خضاب لگائے گا) اسے یہ نور حاصل نہ ہوگا، الا یہ کہ وہ توبہ کرلے یا اللہ تعالی اسے معاف فرمادے (دیکھئے: سابق مصدر، ۶/ ۱۵۷)۔

یہ سفید بال اعمال صالحہ کی روشنی کا بھی سبب ہے، چنانچہ وہ مسلمان کی قبر میں روشنی ہوگا اور حشر کی تاریکیوں میں اس کے سامنے دوڑے گا (دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح، لملاعلی القاری، ۸/ ۲۳۵)۔

یہ فضیلت ایک سفید بال سے بھی حاصل ہوتی ہے وہ (ایک بال) روشنی اور موقف کی تاریکیوں اور ہولناکیوں سے نجات دلانے والا ہوگا (دیکھئے: تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، للمبارکفوری، ۵/۲۶۱)۔

ان احادیث میں وارد یہ فضیلت مسلمان کو سفید بال کے نہ اکھیڑنے کی رغبت دلاتی ہے، اور اکھیڑنے سے زیادہ سنگین اسے سیاہی سے تبدیل کرنا ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس سے روکا اور تنبیہ فرمائی ہے۔

[۱۹]

عقیدہ ومنہج

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں

محمد مقیم فیضی

تذکرہ علامہ زاہد کوثری صاحب کی ائمہ اسلام کے خلاف زبان درازیوں اور بہتان تراشیوں کا چل رہا ہے۔لہٰذا اسی سلسلے کی اگلی کڑی پیش خدمت ہے :

● **امام عثمان بن سعید دارمی (۲۸۰ھ)**

یہ وہ محترم امام ہیں علم حدیث میں جن کی تعلیم وتربیت احمد بن حنبل، ابن مدینی، ابن راھویہ اور ابن معین جیسے ائمہ فن اور اساطین علم وفضل کی درسگاہوں میں ہوئی، فقہ میں ان کے استاد بویطی اورلغت میں ابن الاعرابی جیسے باکمال اساتذہ تھے، امام دارمی کا شمار اعلام واثبات اورعلم حدیث کی نمایاں شخصیات میں ہوتا ہے۔کثیرالاسفار تھے،شعبہ،سفیانین، مالک اورحماد بن زید کی حدیثوں کے جامع تھے، یہاں تک کہ شیخ تاج الدین سبکی نے بھی اس کی شہادت دی ہے اور اس کا اعتراف کیا ہے۔ (دیکھیے: طبقات الشافعیۃ: ۲/ ۳۰۲-۳۰۴اور یہ سبکی صاحب کوثری کے ائمہ میں سے ہیں)

اس کے باوجود علامہ زاہد کوثری صاحب انہیں اپنی خشت باریوں کا نشانا بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’بیچارہ قسم کا مجسم‘‘ ’’فاقد العقل مجسم‘‘ کھلا ہوامجسم ہے جس کا معاملہ بے نقاب ہوچکا ہے، ائمہ تنزیہ سے عداوت رکھتا ہے‘‘ ’’یہ پھوہڑ‘‘ ’’یہ خاسر‘‘ ’’یہ کھوسٹ بڈھا‘‘ ’’وثنی عقل والا‘‘۔ اللہ ان سے سمجھے ہذیان گوئیوں کا ایک سلسلۂ دراز ہے۔ (دیکھئے: مقالات الکوثری کے ۲۸۵ سے ۳۰۵ تک کے متعدد صفحات پھر ۳۰۸اور ۵۷۳اور جناب کی تانیب: ۲۶اور امتاع ۶۳-۶۴)

● حقیقت یہ ہے کہ اس کے پیچھے فقط یہی مقصد کارفرما ہے کہ براہ راست امام احمد بن حنبل کے عقیدے پر نشانا سادھا جائے اور اسے مطعون کیا جائے، مگر اتنی جرأت نہیں ہوسکی کہ اعلان وصراحت کے ساتھ ان کا نام لیکر یہ کام کرسکیں اس لئے یہ طریقہ اپنایا گیا کہ مخاطب کسی کو کرتے ہیں اور باتیں کسی سے کرتے ہیں۔ رہی بات ہمزولمز اور اشاروں اورغمزوں میں امام احمد بن حنبل کونشانا بنانے کی تو جناب اس سلسلے میں خاصے نیک نام اوررسواکن شہرت کے مالک ہیں۔

● **امام ابن امام عبداللہ بن احمد (۲۹۰ھ)**

ان کی پرورش اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی آغوش شفقت وعنایت میں ہوئی اورانھوں نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت کا انتظام خصوصی توجہ اورنہایت اہتمام کے ساتھ کیا تھا۔

انھوں نے اپنے والد امام احمد اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر اپنی عظیم کتاب ’’کتاب السنۃ‘‘ تالیف کی تھی۔

کوثری صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں : ’’اپنے والد کی سیرت پر نہیں چل سکے یہاں تک کہ حشوی لہر کے دباؤ میں آکر

انھوں نے یہ کتاب تالیف کرڈالی، اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس میں انھوں نے ایسی باتیں داخل کردی ہیں جو اللہ کے دین کی مخالف اور اس پر ایمان کے منافی ہیں، لہٰذا ان باتوں کی وجہ سے ان کے اصحاب گمراہ ہوگئے''۔ ''ان الفاظ کے قائل نے کیا وثنیت اور تجسیم کی کوئی بات چھوڑی ہے؟'' انھوں نے اپنی اس کتاب میں وثنی آراء درج کی ہیں''، کیا کوئی بھی مسلمان اس بارے میں شک کرسکتا ہے کہ اس کا اعتقاد رکھنے والا ایمان سے خروج کرکے صریح وثنیت کی طرف چلا جاتا ہے''۔

اس کے بعد جناب کوثری صاحب ان پر اپنی کرم فرمائیوں کا تیر چلاتے ہوئے گویا ہیں کہ صاحب وہ تو ان مغفل (بے شعور) رواۃ میں سے تھے جن کے عقائد میں آتش پرشتوں اور یہودیوں نے غلط باتیں داخل کردی تھیں، پھر جناب انہیں نصاری کی پیروی اور مسلمانوں کو فریب دینے کا طعنہ دیتے ہیں۔

اسی طرح اس بلند رتبہ امام کی ''کتاب السنۃ'' پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ کتاب زیغ وانحراف ہے، وثنیت، تجسیم اور تشبیہ کی کتاب ہے''۔ (دیکھئے: مقالات الکوثری: ۳۲۴ سے ۳۳۸ تک کے متعدد صفحات)

اے مسلم برادر! ذرا ہذیاں گوئی کے خوگر ان مولوی صاحب کی جرأت تو ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے تو سہی کہ یہ حضرت سب وشتم میں کیسے جدت طراز واقع ہوئے ہیں، اپنی یاوہ گوئیوں میں کتنے تیز وطرار ہیں، اور ائمہ اسلام کی تکفیر میں جناب کو کیسا ملکہ حاصل ہے، سبحان اللہ! اگر اسلام کے ان ائمہ اعلام کا عقیدہ عقیدۂ وثنیت ہو تو پھر موحد کون شمار ہوگا؟ کیا یہ رتبہ اگلی جہمیت کے چوزوں کو عطا ہوگا؟ یا پھر قرامطہ، باطنیہ، حلولیہ اتحادیہ اور قبوریہ وماتریدیہ میں سے ابن سینا وغیرہ کے پیروکاروں کو توحید کا علمبردار گردانا جائے گا؟

● اب سوال یہ ہے کہ آخر یہود ونصاری کا داؤں امام عبداللہ بن احمد پر کیسے چل گیا؟ اور انھوں نے اپنی باتیں ان کے عقائد میں کیونکر داخل کردیں؟ جبکہ انھوں نے تو اپنا عقیدہ اپنے والد سے لیا تھا! تو کیا امام احمد کا شمار یہود ونصاری اور آتش پرستوں میں ہے؟ بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں! اس حیلہ گری سے نشانا امام احمد بن حنبل پر سادھا جارہا ہے۔ اور ان کے آگے کون کون نشانے پر ہے وہ بھی قابل غور ہے!

● **امام الائمہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ (۳۱۱ھ)**

صاحب صحیح، وکتاب التوحید۔ (اس علم میں ان کی امامت اور ائمہ اسلام میں ان کی عظمت شان کا پتہ لگانے کے لئے سبکی کی طبقات دیکھ لیجیے اور یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ کوثری صاحب کی ہوا پرستی میں سبکی صاحب ان کے ائمہ میں سے ہیں)

ان کے متعلق کوثری کا طیش ملاحظہ کیجیے فرماتے ہیں: تعصب میں ڈوبا ہوا ہے، غایت درجہ کی ستم جوئی اور رسوا کن تساہل کا جامع ہے، اس پر قلت دین اور زندیقیت کا الزام ہے، اس کی کتاب التوحید حقیقت میں کتاب شرک ہے: اس لئے کہ وہ وثنیت کے آراء پر مشتمل ہے، ان کا (یعنی اہل سنت والجماعت اور اہل حدیث) کا وثنی عقیدہ ومسلک دارمی کے نقض، عبداللہ کی ''السنۃ'' اور ابن خزیمہ کی ''توحید'' سے پھیلا ہے۔ (دیکھئے: تانیب الکوثری: ۲۹،۱۳۳، تبدید الظلام: ۱۰۸، تعلیقاتہ علی الاسماء والصفات: ۲۶۷، جناب کے مقالات: ۳۳۰، ۳۱۵ اور بیہقی کی اسماء وصفات کا مقدمہ: ب بھی دیکھئے)

● اس کاؤں کاؤں اور انکر الاصوات کے جاہ وجلال کو اپنے

ذہنوں میں محفوظ رکھیے کیونکہ علامہ کوثری صاحب اپنی عادت مبارکہ اور شان امتیاز کے مطابق ائمہ اسلام کو اکثر اس سے نوازتے رہتے ہیں۔

اللہ کی شان! کہ کوثری صاحب تو صحیح الاسلام اور پاکیزہ اعتقاد ٹھہرے اور ائمہ اسلام کی گردن پر تعصب وتعنت، قلت دین اور زیدیقیت کی تہمت دھری جائے، ان کی کتابیں کتب شرک قرار پائیں جن میں وثنیت کا بول بالا رہتا ہے، اوران کی کتابوں کی نشرواشاعت سے وثنی مسلک کو فروغ حاصل ہوتا ہے؟ **سبحانک هذا بهتان عظیم والله المستعان علی ما یصفون.**

کیا ائمہ اسلام کی شان میں ہرکاؤں کاؤں اورٹرٹر کرنے والے اورانکرالاصوات کا شور مچانے والے کی بات قابل قبول ہے؟

● **امام ابن امام حافظ ابن حافظ ناقدوبصیر شیخ الاسلام بن حافظ کبیر عبدالرحمان بن ابی حاتم (۳۲۷ھ)**

اس امام عالی مقام کے خلاف توصوفی صاحب نے خوب خوب دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں اور انہیں دل کھول کر اپنی ترکتازیوں اورخشت باریوں کا نشانا بنایا ہے، فرماتے ہیں : ''مسکین ہے فاسدالاعتقاد ہے، اس حدتک پہنچ گیا ہے کہ اہل حق کے متکلمین کی عداوت پرجیتا ہے اوران کا اکل کھرا دشمن ہے، اس نے اپنی کتاب ''الرد علی الجهمية'' میں ایسی باتیں کہیں ہیں جو اس کے دماغی توازن کے بگڑ جانے پر دلالت کرتی ہیں، پاک ہے عقلوں کا تقسیم کرنے والا، یہ شخص علم کلام سے ناواقف ہے اس کے باوجود اصول دین کے پیچیدہ مسائل میں اپنی ٹانگ اڑاتا ہے، تفویض وتنزیہ سے دامن کش رہتا ہے اسی لئے ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے''۔ (دیکھیے: تانیب الکوثری:۱۶۷-۱۶۸)

یہ دیدہ دلیری دیکھیے صاحب! کہ جناب والا شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر خشت باری کرتے ہیں اور حقیقت کو سر کے بل الٹ دیتے ہیں۔ کیا کسی نے انہیں بتایا نہیں کہ اجی حضرت! تمام ائمہ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ متکلمین بدعتی اور باطل پرست ہوتے ہیں، ان کا شمار اہل حق میں نہیں کیا جاتا ہے، اور متکلمین کی تفویض درحقیقت سلف پر ایک سنگین بہتان ہے، کیونکہ سلف کی تفویض معنی میں نہیں کیفیت میں ہوتی ہے۔

اور متکلمین کی تنزیہ کی اصلیت یہ ہے کہ اول تو وہ تعطیل ہوتی ہے اور آخر تشبیہ؛ اس لئے ان کی تنزیہ سے تنزیہ واجب ہے۔

اب رہیں اس عظیم امام کے متعلق میاں جی کی خوش گفتاریاں کہ وہ مسکین ہے فاسدالاعتقاد ہے، اس کا دماغی توازن خراب ہے تو یہ جناب کا اپنا ہی چہرہ جو انھوں نے آئینے میں دیکھ لیا ہے اور وہ اپنے ہی عیوب تھے جو دوسرے کے سرتھوپ دئے گئے۔ اسی کیلئے وہ مشہور عربی مثل ہے کہ ''رمتني بدائها وانسلت''۔

اللہ کا شکر ہے کہ سارے ائمہ اسلام عقل سلیم وصریح کی وافر مقدار سے نوازے گئے ہیں اور یہی بات ان کے اعتقادات کی صحت کے متعلق بھی حق ہے۔ وللہ الحمد۔ اس بات کا اعتراف تو احناف کے بعض اکابرین کو بھی ہے۔ ہاں متکلمین کے اعتقادات کا فساد ان کے عقول کی سطحیت، ان کے افکار کا تناقض اوران کے ظنون واوہام کی حقیقت تو معلوم زمانہ ہے۔

● **امام ابوالحسن عمر بن احمد دارقطنی صاحب سنن (۳۸۵ھ)**

اس امام کے فضائل اہل علم کی زبانوں پر رواں ہیں اور کتب

جرح وتعدیل میں ان کے بیان کی خوشبو رچی ہوئی ہے یہاں تک کہ شیخ تاج الدین سبکی ان کی مدح سرائی اور ثناخوانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں : امام جلیل، سید اہل عصر اور امام زمانہ ہیں حفظ وفہم اور ورع میں یکتائے زمانہ شیخ الحدیث ہیں، قراء اور نحویوں کے امام ہیں، اپنے زمانے کے گوہر یکتا اور فرید عصر ہیں، اپنی طرز کے واحد انسان ہیں، امام وقت ہیں، علم اثر، علل حدیث اور اسمائے رجال کی معرفت انہیں پر ختم تھی۔ صدق وثقاہت اور صحت اعتقاد میں مسلم تھے، علم حدیث کے سوا دیگر علوم میں بھی ہمہ گیر صلاحیت کے مالک تھے، انہیں میں فقہاء کے مذاہب اور شعر وادب کی معرفت بھی شامل تھی'' آخر تک ان کا تذکرہ پڑھ جایئے جس سے ان کی نمایاں خصوصیات اور امتیازات کی ایسی نشاندہی ہوتی ہے کہ عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، اور یہ سب کوثری صاحب کے امام سبکی کی شہادت سے ثابت ہے۔ (دیکھیے: طبقات الشافعیۃ: ۳/ ۴۶۲-۴۶۶)

مگر علامہ کوثری صاحب اپنے فساد عقیدہ کے باعث اس امام کو بھی نہیں بخشتے اور ان کے خلاف نیش زنی اور زبان درازی سے باز نہیں آتے اور از راہ طعن وتشنیع اور ظلم وعدوان ان کے عقیدے کو مطعون کرتے ہیں اور اس پر تہمتیں دھرتے پھرتے ہیں۔

فرماتے ہیں : یہ دارقطنی ہی بکواس کرتا ہے..، وہی کانوں کے درمیان اندھا مسکین ہے کہ اپنے اعتقاد میں بہک گیا ہے اور احادیث پر کلام میں خواہشات کے پیچھے چلتا ہے اور اضطراب کا شکار ہے''۔

مزید فرماتے ہیں : اس کا یہ قول خالص بکواس اور نری حماقت ہی ہوگا... کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس سفاہت وحماقت زدہ کی بصیرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے متعلق اندھی کردی ہے، یہاں تک کہ اس نے اللہ سبحانہ کی صفات میں وہ باتیں مدون کی ہیں جو ایک مجسم کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا ہے... جیسا کہ اس نے اس شخص کے بہت سے ساتھیوں کی بصیرتیں بھی اندھی کردی ہیں اور یہ فروع میں بھی ان کے ساتھ ہے، لہٰذا جس طرح یہ اعتقاد میں بینائی سے محروم ہے اسی طرح فروع میں بھی نابینا ہے، اور جو دونوں آنکھوں سے اندھا ہو وہی تو کانوں میں اندھا ہوتا ہے، ایسی ہی بکواس گوئی کا سلسلہ چلایا ہے اس امام کے متعلق اس مولوی کوثری نے جو آگے تک ہے۔ (تانیب الکوثری: ۲۴۴، ۲۶۱-۲۶۲ نیز ۲۳۹ بھی دیکھیے)

ہم کہتے ہیں : اس امام کے صحت اعتقاد اور علوم حدیث ومذاہب فقہاء میں ان کی امامت کے متعلق سبکی کی شہادت کے بعد کوثری صاحب کی امانت ودیانت کی کیا حیثیت اور قیمت رہ جاتی ہے؟؟۔

اور شاعر نے کیا اچھی بات کہی ہے کہ :

وَهَبْنِيْ قُلْتُ: هَذَا الصُّبْحَ لَيْلٌ
أَيَعْمَى الْعَالَمُوْنَ عَنِ الضِّيَاءِ

مانوں میں نے کہا کہ یہ صبح رات ہے تو کیا دنیا والوں کو اس کی روشنی نظر نہیں آئے گی، وہ اندھے ہوجائیں گے؟

۷- امام محدث حافظ حجہ ثقہ ثبت متقن مجود شیخ سنت شیخ حرم اہل جرح وتعدیل، کبار ائمہ اسلام کی شہادت کے مطابق جن کی امامت ودیانت پر سب کا اتفاق ہے، مسلسل بالاولیۃ حدیث کے راوی ہیں۔ ابونصر عبیداللہ بن سعید وائلی سجزی، مسلکا حنفی اور عقیدتاً سلفی ہیں (۴۴۴ھ) (دیکھئے: الأنساب، اللباب، سیر

اعلام النبلا، اور دیگر کتب جن میں ان کی عظمت شان، علو منزلت اور امامت و دیانت میں اونچا مقام بیان کیا گیا ہے)

ان سب فضائل و مناقب کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ کس طرح کوثری صاحب ان کے خلاف اپنے کینے کا اظہار فرماتے ہیں اور دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، جناب نے اس امام عظیم کو مطعون کرنے کے لئے ماقبل کے سارے ائمہ تاویل کی گالیاں جمع کررکھی تھیں اور اپنی آنت سے بھی اس میں کچھ اضافہ ہی فرمایا ہے جنھیں سن کر آپ یہی کہنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ حضرت نے بے حیائی اور فحش گوئی میں بدترین سے بدترین شعراء کو بھی مات دے دی ہے، اب آیئے ان گالیوں اور طوماروں کے کچھ روشن نمونے بھی ملاحظہ فرمالیجیے تا کہ اہل ایمان پر ان چرکسی مولانا صاحب کی حقیقت پوری طرح کھل جائے اور دنیا جان لے کہ حضرت والا اپنی امانت و دیانت میں کس قدر پستی کے ساتھ گزر اوقات فرماتے ہیں اور جناب کی پاکدامنی کے جو افسانے کوثریوں اور بعض دیوبندیوں کے یہاں زبان زد ہیں ان کی بھی قلعی کھل جائے۔ جناب کی گالیوں اور سنگین بہتان تراشیوں کے نمونے: ''منافق، اپنی جہالت کی وجہ سے حقائق کے متعلق جانبداری سے کام لینے والا، ملعون، مطرود، ذلیل، آوارہ گرد، سانڈ، کمینہ، خسیس، حقیر ترین، جاہل، جہالت میں حد سے گزرجانے والا، اصرار کرنے والا فریب خوردہ، احمق پھوہڑ''۔

اور زہر میں بجھے ہوئے یہ تیر بھی ملاحظہ فرمائیں جس کا نشانا یہی امام سجزی حنفی ہیں: ''جہالت کی بھیانک گمراہیاں''، ''عقل کی نادانی وبیہودگی''، ''حماقت کے آثار''، ''کم عقلی وحماقت''، ''کثرت عیوب ورسوائی''، ''فحش تشبیہ، تجسیم کا بدنما داغ'' اور یوں لعنتوں سے بھی نوازا ہے: ''تف ہے اس پر اور اس کی جہالتوں پر''، ''اس پر یکے بعد دیگرے اور پے در پے اللہ کی لعنتیں برسیں''، ان کے متعلق گل افشانی کا یہ انداز بھی ملاحظہ فرمایئے: ''وہ اپنی جہالت اور کم عقلی و نادانی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق گفتگو کرتا ہے''، ''تکفیر کی جسارت رکھنے والا اس سے بڑا کوئی جاہل میں نے دیکھا ہے نہ ائمہ پر حکم لگانے میں اس نادان اور بیوقوف سے زیادتیز میں نے کسی کو پایا ہے''، ''اور سجزی نے نزول، انتقال، زوال، اتصال، انفصال اور ذہاب ومجیء (آنے جانے) پر گفتگو کی ہے...اور جو اس کا قائل ہو اس کا خون حلال ہوجاتا ہے''۔

اس امام کے حق میں اسی طرح ہذیان و بہتان اور عدوان کا مسلسل مظاہرہ کیا ہے۔ بس اللہ اس شخص سے سمجھے۔

مولوی کوثری صاحب نے ان کے مسلکا حنفی ہونے کا بھی انکار کردیا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ وہ شافعی مذہب تھا۔

حالانکہ ان کا تذکرہ طبقات حنفیہ میں موجود ہے اور شافعیہ میں ان کا ذکر تک نہیں ہے [1] اور یہ بھی کذب وتدلیس اور تلبیس کا ایک رنگ ہے جو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ علامہ کوثری صاحب علانیہ طور پر خیانت کا وصف رکھتے ہیں۔

① (دیکھیے: السیف الصقیل للتقی السبکی، مع تعلیقات الکوثری المسماۃ بتبدید الظلام: ۱۹-۲۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجیے الماتریدیۃ للافغانی ۱/۳۸۰-۳۸۶)

(ان شاءاللہ جاری ہے)

تزکیہ وتربیت [۲]

اسلامی معاشرہ کیسا ہوتا ہے؟

ابوابراہیم کمال الدین سنابلی بدایونی

اسلامی معاشرے کی دو سب سے اہم صفات کا تذکرہ ہم پچھلے شمارے میں کر چکے کہ اسلامی معاشرے کی سب سے پہلی صفت ہے توحید، توحید کے بغیر کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں، توحید پر تمام اعمال کا دارومدار ہے، آپ ممبئی شہر میں نہیں، حرم شریف میں جا کر سجدے کریں لیکن اگر عقیدہ توحید کے خلاف ہے تو حرم میں کیے گئے سجدے بھی رائگاں و بیکار ہیں اور دوسری سب سے اہم صفت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جا سکتا، عقیدہ وہ قابلِ قبول ہوگا جس کا مرجع جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، عبادت وہ قبول ہوگی جو رسول کے طریقے پر ہو، نیکی وہ تسلیم کی جائے گی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگی ہوئی ہو۔

3۔ اتفاق واتحاد :

اسلامی معاشرے کی تیسری صفت اتفاق واتحاد ہے :

اسلام نے تمام مسلمانوں کو کلمہ توحید کی بنیاد پر متفق و متحد کیا ہے، اللہ کا مطالبہ یہ ہے، رسول کا مطالبہ یہ ہے، شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی بن کر رہے۔

ذرا آپ قبولِ اسلام سے پہلے مکہ والوں کے آپسی تعلقات کو دیکھیں، کنبے قبیلے اور حسب نسب کی بنیاد پر وہ لوگ بٹے ہوئے تھے، عصبیت اس قدر کہ اگر کسی قبیلے کا ایک فرد مارا جاتا تو مقتول کے قبیلے والے اس قدر جاہلیت پر اترتے کہ ایک سر کے بدلے سیکڑوں سر اتار دیتے، تلوار نیام سے نکلتی تو مہینوں اپنے دشمن کا خون پیتی رہتی لیکن جب انہیں لوگوں نے اسلام قبول کیا تو آپس میں اس طرح بھائی بھائی بن گئے کہ خونی رشتے بھی ان کے سامنے مات کھا گئے، اور ایسا کیوں نا ہو جبکہ ایمان کا رشتہ تمام خونی رشتوں سے اعلی ہے۔

اللہ تعالی ان کی آپسی الفت ومحبت کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کرتا ہے:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورة الأنفال، آيت :63)

"اور اللہ نے ان کے دلوں کے درمیان الفت پیدا کر دی، اگر آپ روئے زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر دیتے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا نہیں کر سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت پیدا کر دی، بیشک وہ غالب ہے، حکمت والا ہے" (الأنفال، آیت نمبر:63)

دوسری جگہ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کے ساتھ ایک ہو کر اللہ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا، قرآن کو تھامنے کا حکم دیا اور ان کو وہ وقت یاد دلایا کہ جب زمانہء جاہلیت میں وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوا کرتے تھے، ارشاد باری تعالی ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ

بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران، آیت نمبر :103)

"اورتم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو، اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو اس نے تم پر کی، جبکہ تم آپس میں دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا کر دی اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیات واضح کرتا ہے تا کہ تم سیدھی راہ پر رہو" (سورہ آل عمران، آیت :103)

آخر الذکر آیت میں ایک بلیغ نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے ذکر کیا کہ تم آپس میں دشمن تھے، اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ "دشمن" کا مد مخالف لفظ آتا ہے "دوست"، اس حساب سے کہا یوں جاتا کہ پھر تم آپس میں دوست بن گئے، لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ کہا کہ تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے، کیونکہ ان جانی دشمنوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی آپسی محبتیں دوستوں جیسی نہیں بلکہ بھائیوں جیسی تھیں، دوست لاکھ دل کے قریب ہو، لاکھ اس سے محبت ہو مگر رہے گا پھر بھی وہ دوست ہی، لیکن بھائی بھائی ہوتا، اس کی محبت شدید اور پائیدار ہوتی ہے۔

اب ذرا ہم مسلم سماج کا جائزہ لیں، کیا واقعی آج کے مسلم سماج کو اسلامی معاشرہ کہا جاسکتا ہے؟ ہر گز نہیں، اسلام ہمیں اتحاد کے ساتھ رہنے کا حکم دیتا ہے اور ہم ٹولیوں، جماعتوں، فرقوں، مسلکوں اور ذات برادریوں میں بٹے ہوئے ہیں، اسلام ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا حکم دیتا ہے اور ہم ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی فراق میں ہیں، اپنے مسلم بھائی کو تکلیف دیتے ہیں، بات بات میں آپس میں دست وگریباں ہو جاتے ہیں۔

قرآن نے مسلمانوں کی صفت بتائی تھی کہ وہ غیروں پر سخت ہیں، آپس میں نرم ہیں، لیکن ہم غیروں پر تو نرم ہو سکتے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے کے لیے نرم نہیں، ہمارے ساتھ غیر اٹھ بیٹھ سکتا ہے لیکن اپنے نہیں، اپنوں کے لیے ہم نے اپنی مساجد کے دروازے بند کیے، مدارس کے دروازے بند کیے، حتی کہ بعض شدت پسند افراد کی مسجدوں سے اب جنازے کے اس طرح کے بھی اعلان ہونے لگے کہ یہ فلاں فرقے والوں کی میت ہے اور اس کی نماز جنازہ میں فلاں فلاں فرقے والے شرکت نہ کریں، استغفر اللہ! جب ہمارے اعلان کو غیر سنتے ہوں گے تو وہ مسلم سماج اور اسلامی معاشرے کے تعلق سے کس قدر بدظن ہوتے ہوں گے کہ ایک اللہ پر ایمان لانے والے یہ کیسے لوگ ہیں جو نہ ایک دوسرے کی مسجدوں میں جا سکتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کی میت میں شریک ہو سکتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں، اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو اسے آپ سلیقے سے رکھ سکتے ہیں، اگر سامنے والا بات مان لے تو ٹھیک اور اگر وہ آپ کی بات نہ مانے تب بھی تمام اختلافات کے باوجود ایک ساتھ اٹھا بیٹھا جاسکتا ہے، ایک دوسرے سے تعلقات رکھے جاسکتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ عوام تو عوام، وہ لوگ جن کی ذمہ داری تھی عوام کی اصلاح کی وہ خود اپنے بھائیوں کے خلاف شر وفساد پھیلانے میں پیش پیش نظر آتے ہیں، کیا آپ نام نہاد علماء کی تقریریں سنتے نہیں ہیں کہ وہ اپنے مخالف مسلک والے سے اپنے اختلافات کو کس بھونڈے اور زہریلے انداز میں پیش کر کے عوام کو اپنے مسلمان بھائیوں سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، "لا

مذہب" "بد مذہب" "ملکہ وکٹوریہ کی اولاد" "انگریز کی اولاد" بتایئے کیسی ہیں یہ تعبیرات؟ کیا ان جھوٹے، من گھڑت اور زہریلے الزامات کے بغیر اپنی بات کو نہیں رکھا جاسکتا؟

ہم نے یہ کب کہا کہ اختلاف ایک ہی دن میں ختم ہوجائے گا اور نہ ہم نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اختلافی مسائل میں اپنے موقف کو نہ بیان کریں، ضرور بیان کریں، جلسے کریں، تقریریں کریں لیکن سلیقہء اختلاف ہونا چاہیے، بیان کرنے کا طریقہ ہونا چاہیے، آپ اپنی بات کو احسن انداز میں دلائل کے ساتھ رکھ دیں، اگر عوام کی سمجھ میں آئے گا تو مانے گی، نہیں سمجھ میں آئے گا تو آپ کی بات آپ تک رہ جائے گی، اختلاف رفع کرنے کے لیے ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جس سے مسلم معاشرے کا اتحاد پارہ پارہ ہوجائے، اتفاق واتحاد اسلامی معاشرے کی پہچان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلمانوں کی مثال ایک جسم سے دیتے ہیں کہ جس طرح جسم کے کسی ایک حصے کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم کراہ اٹھتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی تکلیف پر تڑپ اٹھنا چاہیے، نا کہ خود اس کو تکلیف پہونچانے کا سبب بن جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى (مسلم:2586)

"مسلمانوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر مہربانی کرنے میں ایک جسم کی سی ہے، اگر جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بیداری میں اس کا ساتھ دیتا ہے" (مسلم، حدیث نمبر:2586)

4- ہمدردی اور خیرخواہی :

مسلم معاشرے کا ہر فرد اپنے مسلم بھائیوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے۔

ذرا سوچیے کہ مکہ سے مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تو کس حال میں کی تھی؟ کیا وہ اپنے ساتھ مال و دولت لے گئے تھے؟ زمین وجائداد اور گھر بار لے گئے تھے؟ زمین وجائداد اور مکان اٹھانے کی چیز نہیں ہوتے، لہذا ان چیزوں کو وہ کیسے ساتھ لے جا سکتے تھے، اور ان کی زمین اور مکان کوئی خریدنے والا تھا نہیں، رہا مال تو مال و اسباب مکہ والوں نے لے جانے نہیں دیا، الغرض پوری طرح سے حالتِ مسکینی میں ہجرت کی تھی مکہ کے مسلمانوں نے، لیکن مدینہ پہونچ کر وہ بہت جلد اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے، آخر کیسے؟

کیونکہ مکہ سے آنے والے ان مہاجرین کی مدینہ کے مسلمانوں نے دل کھول کر مدد کی، خوب ہمدردی کا سلوک کیا، چنانچہ مدینہ کے مسلمانوں نے مکہ سے آئے اپنے بھائیوں کی اسقدر مدد کی، اس قدر مدد کی کہ ان کا لقب ہی پڑ گیا "انصار" یعنی مدد کرنے والے، اور ان کا یہ لقب بیجا نہیں، حقیقت میں انہوں نے مہاجرین کے ساتھ ہمدردی وحسن سلوک کی جو تاریخ رقم کی، قیامت تک اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان ہجرت کر کے تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اخوت و بھائی چارگی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرمائی، چنانچہ حضرت سعد بن ربیع نے حضرت عبد الرحمن بن عوف سے کہا کہ میرے بھائی تم جانتے ہو کہ میں مدینے میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، لیکن اب اس مال کو میں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، آدھا مال تمہارا

اور آدھا میرا، اور تم میری جس بیوی کو کہو میں اسے طلاق دے دوں، عدت کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ اللہ تمہارے مال اور تمہارے گھر والوں میں برکت عطا فرمائے، میری تو بازار کیطرف رہنمائی کر دو کہ کچھ کر سکوں.... الخ (بخاری، حدیث نمبر: 2049)

5- آپسی حقوق کا خیال رکھنا :

اسلامی معاشرے کا ہر فرد اپنے متعلقات کے حقوق کا خیال رکھتا ہے، اسلامی سماج کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلامی سماج حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد پر بھی توجہ دیتا ہے۔

اسلامی اصولوں پر قائم ہونے والے سماج میں ماں باپ اپنی اولاد کے حقوق کا پورا خیال رکھتے ہیں اور اولاد اپنے ماں باپ کے حقوق کو پورے ادب واحترام کے ساتھ پورا کرتی ہے، شوہر بیوی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا اور بیوی شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی، مالک اپنے نوکر اور مزدور پر ظلم نہیں کرتا اور مزدور اپنا فرض ادا کرنے میں کوئی خیانت نہیں کرتا۔

اسلامی معاشرے میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے، اور انسان تو انسان جانوروں تک کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

اسلامی سماج کا ہر فرد دوسرے کے حقوق کو پہچانتا ہے، حقوق کو ادا کرتا ہے، اگر کبھی کوتاہی ہو جائے تو اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اب ذرا ہم اپنے سماج پر نگاہ ڈالیں، مسلم سماج کا جائزہ لیں، کیا واقعی ہمارا معاشرہ حقوق العباد کے تعلق سے اسلامی معاشرہ کہلائے جانے کا مستحق ہے؟ کیا ہمارے معاشرے کے والدین اولاد کی ذمہ داریاں صحیح انداز میں پوری کر پاتے ہیں؟ دنیا کے ساتھ ساتھ ان کی آخرت کے تعلق سے فکرمند رہتے ہیں؟ کیا ہمارے معاشرے کی اولاد رب العالمین کے اس حکم پر عمل پیرا ہے کہ جس میں کہا گیا ہے "وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (الإسراء، آیت:23-24)

(آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تمہاری موجودگی میں والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی حالت کو پہونچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہنا، اور نہ ان کو کبھی جھڑکنا، بلکہ ان سے نرمی سے بات کرنا، اور عاجزی وانکساری کے بازو ان کے لیے جھکا دینا، اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے (رحمت و شفقت کے ساتھ) میری پرورش کی)

کیا ہمارے سماج میں بیویاں اپنے شوہروں کی اطاعت کے لیے تیار ہیں یا وہ خود مردوں پر قوام بنی جاتی ہیں اور کیا شوہر بیویوں کا ویسا ہی خیال رکھتے ہیں جیسا کہ انہیں قرآن و حدیث میں حکم دیا گیا ہے؟

کیا ہمارے یہاں مختار اور ماتحتوں کے معاملات درست ہیں؟ ان تمام چیزوں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو انتہائی افسوس ہوتا ہے کہ ہمارا سماج مسلم سماج تو کہلاتا ہے لیکن واقعی میں اسلامی سماج کہلائے جانے کا حقدار نہیں ہے۔

❖ ❖ ❖

[۳]

معاشرتی مسائل

بچوں کی نفسیات اور تربیت کے تقاضے

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

بچے کو نیچا نہ دکھائیں!

بچّوں کو اچھے بچّوں کی مثالیں دینا اچھی بات ہے لیکن مستقل کسی ہم عمر بچّے کی صلاحیتوں اور کامیابیوں کو بیان کر کے بچّے کو طعنہ دینے اور نیچا دکھانے کا مزاج نہ بنائیں۔

اس رویّے سے بچّے کے دل میں حوصلہ نہیں حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، حوصلہ بچّے کو مثبت رخ پر لے جاتا ہے اور حسد منفی راستے پر۔

ہر بچّہ اپنی منفرد خصوصیات لے کر پیدا ہوتا ہے، اس لیے دوسرے بچّوں کی صلاحیت اپنے بچّوں سے برآمد کرانے کی ناکام کوشش کے بجائے اس کی اپنی صلاحیتوں کی بازیابی میں اس کی مدد کریں۔

بچّے اور مشین کا فرق :

بچے مشین نہیں ہوتے، کہ آپ نے اپنا خواب ڈالا اور انہوں نے تعبیر چھاپ کر دے دی۔

بچوں کے مستقبل کا فیصلہ اپنی آرزوؤں کے بجائے ان کی صلاحیت کی بنیاد پر کریں بلکہ جائز دائرے میں رہ کر اُن کو ان کی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیں، ہر انسان کے اندر اللہ نے کچھ نا کچھ صلاحیتیں رکھی ہوتی ہیں، دنیا میں وہی انسان کامیاب ہوتا ہے جو وہ کر رہا ہو جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے، اگر آپ اپنے بچوں سے وہ برآمد کرنے کی کوشش کریں گے جو ان میں رکھا ہی نہیں گیا تو انہیں ناکارہ بنا دیں گے۔

ان کے پروں کو کھلنے کا موقع دیں، اپنی اڑان وہ خود بھر لیں گے، اپنے تقاضوں کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال کر ان کو ان کے آسمان سے محروم نہ کریں، اپنی مرضی کے راستوں پر ان کو گھسیٹنے کے بجائے ان کے اپنے طے کیے ہوئے راستے پر آگے میں ان کی مدد کریں۔

انسان فطرتاً آزادی چاہتا ہے، جبر صحیح چیزوں پر بھی ہو تو بچّے کو باغی بنا دیتا ہے، ضرورت سے زیادہ پہرے انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو مار دیتے ہیں، بچّوں کی صلاحیت کو باہر آنے کے لیے آزادی، حوصلہ اور خود اعتمادی کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے جیسے جیسے بچوں کی عمر بڑھے بچے سے مشورہ کرنے، اپنی باتوں کے لیے کنونس کرنے اور اپنے خلاف ان کی صحیح باتوں کو تسلیم کرنے کا مزاج بنائیں!

بچوں کا حوصلہ نہ توڑیں!!

دنیا کے تمام کامیاب انسانوں میں خود اعتمادی ایک مشترک صفت ہے، انسان کا اپنی ذات اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا بہت ضروری ہے، یہ اعتماد ہی زندگی کی راہوں میں انسان کو آگے بڑھنے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے میں مدد کرتا ہے، اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ بچپن ہی سے بچے کو خود اعتماد بنائیے، اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی کیجیے، اس کو اس بات کا احساس دلائیے کہ وہ خاص ہے، اس میں کچھ کر گذرنے کی صلاحیت ہے، وہ منفرد ہے، اس رویے سے بچے کا حوصلہ پختہ ہوتا ہے۔

والدین اور اساتذہ جب بچے کو غبی، کمزور اور نالائق قرار دے کر سائڈ کر دیتے ہیں تو بچّہ خود اپنے آپ سے مایوس ہو جاتا

ہے، ایسا بچہ زندگی کے راستے پر قدم روک کر کھڑا ہو جاتا ہے، اس میں آگے بڑھنے کا حوصلہ ختم ہو جاتا ہے، وہ مشکلوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے، زندگی کی جنگ ہار جاتا ہے، اس لیے بچے کو ہمیشہ اس کی انفرادیت کا احساس دلانا چاہیے، اللہ نے ہر انسان میں الگ الگ طرح کی صلاحیتیں رکھی ہیں، ان صلاحیتوں کو نکھارنے اور کارآمد بنانے کے لیے کبھی کم کبھی زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے، ان بچوں کو اپنی ذات کے گھونسلے سے صلاحیتوں کے آسمان تک پہنچنے کے لیے حوصلہ درکار ہوتا ہے، چڑیا کے بچے کے دل میں اگر اڑان کا خوف ڈال دیا جائے اور دماغ میں یہ بات بٹھادی جائے کہ وہ زندگی میں کبھی اڑان نہیں بھر سکتا تو اس کی پوری زندگی گھونسلے ہی میں کٹ جائے گی، یہی معاملہ بچوں کا ہے، اس لیے بچوں کو یقین دلایئے کہ وہ بھی دنیا کے لامتناہی آسمان میں دوسرے پرندوں کے دوش بدوش اڑ سکتے ہیں، ان کو ان کے گھونسلے میں قید کرنے کے بجائے ان میں اڑان کی امنگ پیدا کریں۔

بچوں کے سوالوں کا خوش دلی سے استقبال کریں!

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہالت کا علاج سوال ہے، تجسس انسان کے دل میں علم کے راستے پر چلنے کی للک پیدا کرتا ہے، علم کے راستے سوال سے کھلتے ہیں، جواب کی تلاش انسان کو ایجادات اور اکتشافات تک لے جاتی ہیں، علم کی ابتداء سوال سے ہوتی ہے، دنیا کے سارے فلسفے سوال ہی سے وجود میں آتے ہیں، غور وفکر، تفکر وتدبر کے دروازے ''کیا؟''، ''کیوں؟''، ''کب؟'' اور ''کیسے؟'' سے ہی کھلتے ہیں، سوال کرنا انسان کی ذہانت کی علامت ہے، اس کے ذہن ودماغ کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ سوال کے وسیلے سے انسان کائنات کی گہرائیوں میں اترتا ہے۔

ہمارے معاشرے کا عمومی رویہ ہے کہ ہم سوالوں کو پسند نہیں کرتے، سوال ہم پر گراں گذرتے ہیں، والدین بچوں کے، اساتذہ طلبہ کے اور حکمراں عوام کے سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے۔

بچوں کے سوالوں کا تشفی بخش جواب دیں، سوال کرنے پر ان کی حوصلہ افزائی کریں، ان کے اندر کے تجسس کو مار کر ان پر علم کا دروازہ بند نہ کریں، ان میں غور وفکر کی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں، اگر وقت پر سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے تو ان سے مہلت مانگیں، بلکہ خود آگے بڑھ کر ان کو سوال کرنا سکھائیں، جواب تلاش کرنا سکھائیں۔

بچے اچھے برے کی تمیز کیسے کرتے ہیں؟

بچے اپنے والدین اور اساتذہ کے ردعمل کے بنیاد پر کسی عمل کا اچھا یا برا ہونا طے کرتے ہیں، کسی عمل پر والدین کی خوشی، غصہ، شاباشی، حوصلہ افزائی، ناراضگی کی شدت کے اعتبار سے بچے کسی کام کا مرتبہ طے کرتے ہیں،، اس لیے والدین کو اپنے ردعمل کے معاملہ میں ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے، بچہ اگر نیکی اور بھلائی کا کوئی کام کرتا ہے تو اس پر اسی اعتبار سے خوشی کا اظہار اور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اگر بچہ کوئی برا فعل انجام دیتا ہے تو اس پر کام کی برائی کے لحاظ سے غصے کا اظہار اور تادیبی کی کاروائی ہونی چاہیے۔

بچے کے برے کام پر آپ خوشی کا اظہار کریں گے تو وہ اسے اچھا کام سمجھے گا، جیسے بعض والدین کم عمر بچوں کی زبان سے گالیاں سن کر ہنستے ہیں، اس سے بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ گالیاں دینا اچھائی کا کام ہے، بچے کی بڑی غلطی پر آپ محض معمولی غصہ کا اظہار کریں گے تو وہ اسے معمولی غلطی کے خانے میں ڈال دے گا اور کسی چھوٹی سے غلطی پر اس کی پٹائی کردیں گے تو وہ اس کو بڑی غلطی کے خانے میں رکھے گا۔ الغرض بچے ہمارے ردعمل کی بنیاد پر اعمال کے مراتب طے کرتے ہیں، لہذا ہمارا ردّعمل تربیت کا بڑا اہم ذریعہ ہے تو اس کا اظہار شعور اور

منصوبے کے ساتھ ہونا چاہیے۔

بچوں کو مارنا:

بچوں کو تادیباً مارنا بھی تربیت کا ایک وسیلہ ہے لیکن یہ مارنا بھی اصول وضوابط کے ساتھ ہونا چاہیے۔

آخری حد تک کوشش کریں کہ بچوں کو مارنے کی نوبت نہ آئے، اللہ کے نبی ﷺ دنیا کے سب سے اچھے مربی ہیں، آپ نے کبھی کسی عورت، بچے یا جانور پر ہاتھ نہیں اٹھایا، اگر اصلاح اور تربیت کے وسائل درست طریقے سے اختیار کیے جائیں تو مارنے کی نوبت بہت کم آئے گی۔

بچوں کو ہر غلطی پر نہ ماریں، بڑی غلطی پر ماریں، بات بات مارنے سے بچے ڈھیٹ ہوجاتے ہیں، بچے پر مار سے زیادہ مار کا خوف اثر انداز ہوتا ہے، زیادہ مار کھانے والے بچے ڈھیٹ ہوجاتے ہیں، ان کے دل سے مار کا خوف نکل جاتا ہے، وہ مار کھانے کے عادی ہوجاتے ہیں، پھر کوئی اور چیز ان کو غلطی سے نہیں روک پاتا۔

مارنا تربیت میں آخری تادیبی کاروائی ہے، جب تربیت، افہام، تفہیم اور اصلاح کے سارے وسائل اختیار کیے جاچکے لیکن اصلاح ہوکر نہ دے رہی ہو تو مارنا آخری حل ہوتا ہے۔

بچوں کو اس عمر میں ماریں جب ان کو مار کا مطلب سمجھ آتا ہو، اللہ کے نبی ﷺ نے نماز کے متعلق فرمایا کہ بچے کو سات سال کی عمر میں نماز کی تاکید کرو اور دس کی عمر میں نماز ترک کرنے پر مارو، اس حدیث سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ کم عمری میں بچے پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔ کم عمری میں بچوں پر ہاتھ اٹھانے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ان پر کیے جانے والا تشدد خود ان کے مزاج کا حصہ ہوتا ہے، پھر ایسے بچے دوسرے بچوں اور بڑوں پر ہاتھ اٹھانا سیکھ لیتے ہیں اور پھر پوری زندگی کے لیے یہ تشدد ان کی شخصیت کا جز بن جاتا ہے۔

بچوں کو تادیب کے لیے ماریں غصہ اتارنے کے لیے نہیں، ہمارے معاشرے میں بہت سارے والدین کے ساتھ یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ آفس اور گھر کا غصہ معصوم بچوں پر اتارتے ہیں، عورتیں ساس، سسر، نند اور شوہر سے لڑائی کر کے اور شوہر باس، کلیگز، کسٹمرز کا ٹینشن گھر پہنچ کر بچوں پر انڈیل دیتا ہے۔

مارنے میں اعتدال قائم رکھیں، ہلکی مار ماریں، جانوروں کی طرح بچوں کو نہ پیٹیں، غصہ کی حالت میں نہ ماریں کیونکہ غصہ کی حالت میں دماغ اور ہاتھ قابو میں نہیں ہوتے، مارنے کے کچھ دیر بعد محبت کا بھی اظہار کریں۔

مار کے ساتھ محبت بھی باقی رکھیں، بچوں کے ساتھ رویہ ایسا رکھیں کہ ان کے دل میں آپ کی محبت آپ کے خوف پر ہمیشہ غالب رہے، زیادہ مارنے سے خوف محبت پر غالب آجاتا ہے، بعض مرتبہ یہ خوف نفرت میں تبدیل ہوجاتا ہے، بچے والدین سے نفرت کرنے لگیں یہ بہت بڑا نقصان ہے، اس طرح تربیت کے سارے دروازے بند ہوجائیں گے۔

پیار کے ساتھ خوف بھی:

بچوں سے محبت ضرور کریں لیکن اس محبت کو اپنی ایسی مجبوری نہ بننے دیں جس کا بچے غلط فائدہ اٹھانا شروع کردیں، محبت اور سختی میں توازن رکھیں، آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ کا خوف بھی بچے کے دل میں ہونا چاہیے، حد سے بڑا ہوا لاڈ پیار بچوں کو بگاڑ دیتا ہے، ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار میں پلے بڑھے بچے والدین کے نافرمان اور بدتمیز ہوتے ہیں، آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ کی ڈانٹ اور مار کا خوف بھی بچے پر ہونا چاہیے، نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

" علقوا السوط حيث يراه أهل البيت فإنه لهم أدب ". "ایسی جگہ پر کوڑا لٹکاؤ، جہاں سے گھر والے افراد کو نظر آسکے، کیونکہ یہ ان کیلئے باادب ہونے کا سبب ہے۔"

(الطبراني:10/344-345،السلسلة الصحيحة برقم 1447)

لہذا پیار اور محبت کے باوجود بچوں سے اتنا فاصلہ بنا کر رکھیں کہ آپ کی شخصیت کی ہیبت اور رعب ان سے ختم نہ ہو۔

بچے کی عزت نفس کو مجروح نہ کریں!

زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے خود اعتمادی اور عزت نفس لازمی ہے، کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو اپنی خوبیوں کا علم ہو، اپنے صلاحیتوں پر اعتماد ہو، جو شخص اپنی نظروں میں گر جائے وہ دوسروں کی نظر میں اٹھ نہیں، دوسروں سے عزت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے انسان آپ خود اپنی عزت کریں۔

بچے کے دل میں بچپن سے ہی خود اعتمادی کو پروان چڑھائیں، ان کو احساس دلاتے رہیں کہ وہ منفرد ہیں، باصلاحیت ہیں، کسی سے کمتر نہیں،، ان کو ان کی عمر اور محنت کے اعتبار سے ان کا جائز مقام دیں، ایسے باتوں سے گریز کریں جن سے بچوں کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے، تنقید کی ضرورت ہو تو خیر خواہانہ اور مثبت انداز میں کریں، مجلس میں، مہمانوں اور رشتہ داروں کے سامنے، اس کے ٹیچر اور دوستوں کے سامنے ڈانٹنے، سرزنش کرنے سے پرہیز کریں، غلطیوں کی اصلاح تنہائی میں کریں، اس کو نکما، گدھا، بے وقوف، نالائق نہ کہیں، گالیاں نہ دیں، بچے زبان اپنے ماں باپ سے سیکھتے ہیں، آپ کی زبان سے نکلنے والی گالیاں اس کے دماغ میں فیڈ ہو جائیں گی، پھر وہی گالیاں غصے میں خود بخود اس کی زبان سے بھی نکلیں گی جس کا شکار کبھی آپ خود بھی ہو سکتے ہیں۔

تنقید کے ساتھ تعریف بھی :

یہ ضروری ہے کہ بچے اپنے ماں باپ کو ہمیشہ اپنا خیر خواہ سمجھیں، مسلسل نکتہ چینی، ڈانٹ ڈپٹ اور پٹائی سے بچے کے دل سے ماں باپ کے لیے احترام نکل جاتا ہے، مسلسل نکتہ چینی کرنے سے بچے کے دل میں یہ خیال بیٹھ جاتا ہے کہ ماں باپ اس کے بدخواہ ہیں، پھر وہ تنقید اور اصلاح کو منفی نقطہ نظر سے دیکھنے لگتا ہے پھر اس پر اصلاح اور تربیت کارگر نہیں ہوتی۔ لہذا غلطیوں پر مثبت طریقے سے اصلاح کے ساتھ ساتھ خوبیوں کی تعریف بھی کیجیے، محنت کی حوصلہ افزائی بھی کیجیے۔

نادانستگی میں ہونے والے غلطی اور جرم میں فرق کریں!

بندوں کی بھول، چوک اور نادانستگی میں ہو جانے والی غلطی تو اللہ نے بھی معاف کی ہے، لہذا جرم اور نادانستگی میں ہو جانے والی خطا میں فرق کیجیے، بچہ کوشش کرنے کے باوجود اگر کامیاب نہیں پا رہا تو اس کی ڈھارس بندھائیے، حوصلہ افزائی کیجیے، اس کی محنت کی تعریف کیجیے، ناکامی سے بچے کا حوصلہ ٹوٹتا ہے، لہذا ایسے وقت میں اس کو حوصلہ افزائی کی اور زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

بچے اچھل کود اور شرارت کو نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟

اچھل کود ایک حد تک بچے کی جسمانی نشونما کے لیے ضروری ہیں، ان کو اتنی اچھل کود کے لیے اسکوپ دیں، غذا سے جو توانائی بچوں کو ملتی ہے وہ اسی اچھل کود میں صرف ہوتی ہے، بچوں سے یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ بڑے لوگوں کی طرح با ادب اور پرسکون انداز میں ایک جگہ بیٹھے رہیں گے۔

بچوں کی شرارت ان کے ذہانت کی پیداوار ہوتی ہیں، بچہ جتنا ذہین ہوتا ہے اتنا شرارتی ہوتا ہے، شرارت بچوں کے مزاج کا حصہ ہوتی ہے، اس لیے ان کو بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان شرارتوں کو مثبت رخ دے کر ان کی تربیت کی جا سکتی ہے، ان کے تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

❖ ❖ ❖

[۳]

خصوصی مضمون

جاہ ومرتبہ اور شہرت طلبی کی خواہش سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

۱۔حکومت وسرداری کی محبت اور دعوت اِلی اللہ کی غرض سے امارت کی خواہش میں فرق ہے:

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دنیوی سرداری کی خواہش اور دعوت اِلی اللہ کے لئے امارت کی چاہت کے مابین وہی فرق ہے جو حکم الٰہی کی تعظیم وخیر خواہی اور نفس کی تعظیم اور اس کے چاہتوں کی تکمیل کی خواہش کے مابین ہے۔ کیونکہ اللہ کے لئے نصح وخیرخواہی کرنے والے' اور اس کی تعظیم ومحبت بجالانے والے کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کے رب کی اطاعت کی جائے' نافرمانی نہ کی جائے' اللہ کا کلمہ بلند ہو، دین مکمل اسی کا ہوجائے، بندے اللہ کے اوامر کو بجالانے اور اس کی منہیات سے اجتناب کرنے والے ہوجائیں، گویا وہ عبودیت میں اللہ کے ساتھ، اور دعوت اِلی اللہ میں اس کی مخلوق کے ساتھ جذبۂ نصح وخیرخواہی سے معمور ہے، اور اس مقصد کے لئے دین میں امامت کا خواہاں ہے، بلکہ اپنے رب سے دعا گو ہے کہ اُسے متقیوں کا امام بنادے، جس طرح وہ متقیوں کا پیرو ہے' متقی حضرات اس کی اقتدا و پیروی کریں۔لہٰذا جب اللہ کے دین کی دعوت دینے والے بندے کی خواہش یہ ہوگی کہ لوگوں کی نگاہوں میں قابل احترام، ان کے دلوں میں باوقار ومحبوب ہوجائے' اُن کا امام وپیشوا بن جائے تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں اور اس کے ہاتھوں رسول کے نقش قدم پر چلیں' تو یہ چیز اس کے حق میں مضر نہیں بلکہ قابل تعریف ہوگی۔ کیونکہ وہ اللہ کا داعی ہے' اس کی خواہش ہے کہ اللہ ہی کی اطاعت وعبادت کی جائے اور اس کی توحید کا اقرار کیا جائے، چنانچہ وہ اس چیز کا خواہاں ہے جو اس مقصد کے لئے معاون اور منزل رسا ہے، اسی لئے اللہ نے جب اپنے چہیتے بندوں کا تذکرہ کیا' جن کی اللہ نے اپنی کتاب میں ثنا خوانی کی ہے اور روز قیامت جزائے خیر کا وعدہ فرمایا ہے تو انہیں اُن کے سب سے عمدہ اعمال واوصاف سے یاد کیا، اور پھر فرمایا:

{وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا} (سورۃ الفرقان: ۷۴)۔

''جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا''۔

یہ ریاست وسرداری کی طلب کے برخلاف ہے، کیونکہ ریاست وسرداری کے طلبگار اس کے لئے اس لئے کوشاں ہوتے ہیں تاکہ دنیا میں بلندی و برتری حاصل کرسکیں' لوگوں کے دلوں کو مسخر اور اپنی طرف مائل کرسکیں، ان سے اپنی مدد کرواسکیں حالانکہ وہ خود ان پر غالب و حاوی ہوا کرتے ہیں۔اور اس مقصد سے ظلم، حسد، سرکشی، کینہ، بربریت، فتنہ، حق

الٰہی کے بجائے نفس کی غیرت، اللہ کی نگاہ میں حقیر کی تعظیم اور اللہ کی نگاہ میں معزز و محترم کی تحقیر وغیرہ کی شکل میں ایسی قباحتیں لازم آتی ہیں جنہیں اللہ ہی جانتا ہے!! اور دنیا کی ریاست وسرداری اس کے بغیر مکمل بھی نہیں ہوسکتی۔۔۔'' (کتاب الروح، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ص (۲۲۷-۲۲۸))۔

۲- کچھ ایسے اعمال کی انجام دہی جس سے لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے:

مذموم یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان جاہ وشہرت کی محبت اور اس کی طلب کی جائے' البتہ طلب کے بغیر اللہ کی طرف سے جاہ و مرتبہ اور مقبولیت کا پایا جانا مذموم نہیں ہے' لیکن یہ ملحوظ خاطر رہے کہ کمزوروں کے لئے بہر حال فتنہ سے خالی نہیں ہے۔

☆ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انسان کا بذات خود شہرت چاہنا مذموم ہے' البتہ طلب کے بغیر اللہ کی طرف سے جاہ و مرتبہ اور مقبولیت کا پایا جانا مذموم نہیں ہے' البتہ شہرت کمزوروں کے لئے فتنہ کا باعث ہوسکتی ہے، کیونکہ کمزور کی مثال اس ڈوبنے والے کی سی ہے جسے تیراکی میں مہارت نہ ہو، کہ ایسے شخص سے جو بھی وابستہ ہوگا وہ خود بھی غرق آب ہوگا اور اُسے بھی لے ڈوبے گا، برخلاف ماہر اور تجربہ کار تیرنے والے کے' کہ اگر ڈوبنے والے اس سے وابستہ ہو جائیں تو وہ ان کی نجات وخلاصی کا وسیلہ بن جائے'' (الزھد الکبیر، ص (۱۲۲))۔

اسی لئے اپنے آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے گرانے اور ان کے دلوں میں اپنا مقام و مرتبہ کم کرنے وغیرہ کی خاطر مسلمان کے لئے کسی حرام یا مذموم عمل کی انجام دہی جائز نہیں۔

جیسے لوگوں کی نگاہوں میں بے وقعت یا مبغوض ہونے کی غرض سے کوئی غیر مناسب کپڑا پہنے، یا حرام مشروب کسی ایسے پیالے میں نوش کرے جس کا رنگ شراب جیسا ہو، یا بعض ایسے جائز اعمال انجام دے جو اس جیسے کے لئے موزوں نہ ہو، یا لوگوں اور اس شہر سے کنارہ کشی اختیار کرے جہاں وہ مشہور ہو، یا ایسے الفاظ اور اشعار وغیرہ زبان پر لائے جو اسے زیب نہ دیں وغیرہ۔

نوبت یہاں تک آ چکی ہے کہ مسلمانوں میں ''ملامیہ'' نامی ایک جماعت پیدا ہوگئی ہے، یہ لوگ ملامت والے اعمال انجام دیتے ہیں اور نعرہ لگاتے ہیں کہ ہم باطن میں اتباع کرنے والے ہیں' ان کا مقصد یہ ہے کہ ریا کاری، جاہ و مرتبہ اور شہرت سے بچیں' جس کا انجام یہ ہوا کہ ایک دوسری برائی میں جا واقع ہوئے، ہم اللہ سے سلامتی و عافیت چاہتے ہیں'' (دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ۵/۳۵/۱۶۴)۔

یہ تمام چیزیں بلاشبہ شرعاً وعقلاً کسی طرح جائز نہیں ہیں، بلکہ جب مسلمان دینداروں اور استقامت پسندوں کو ان بُرے حالات میں دیکھتے ہیں، تو اُن کے دلوں میں دین کو کمزور کرنے کا سبب قرار پاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ جاہ و مرتبہ اور لوگوں میں مقبولیت عطا فرمائے اُسے اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ اُسے اپنی اطاعت پر مددگار بنا دے، اُس کا دل اُسی سے وابستہ نہ ہو جائے، کیونکہ جاہ وشہرت فی نفسہ مطلوب ومحبوب نہیں ہے، بلکہ اس سے اللہ کی اطاعت پر مدد حاصل کی جاتی ہے، اور اُسے اللہ کے دین کی نصرت اور اس کے بندوں کو نفع پہنچانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے: إحیاء علوم الدین، ۳/۳۰۴)

۳- ریاست وسرداری کی چاہت وطلب اور بلا مانگے دے دیئے جانے میں فرق ہے:

نبی کریم ﷺ نے عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے

فرمایا:

”یا عبد الرحمن لا تسأل الإمارة فإنک إن أعطیتها عن مسألة وکلت إلیها، وإن أعطیتها من غیر مسألة أعنت علیها“ رواہ البخاري ومسلم۔

”اے عبدالرحمن! امارت وسرداری نہ مانگو، کیونکہ اگر مانگنے پر ملے گی تو تم اسی کے سپرد کردیئے جاؤ گے اور اگر بلا مانگے دی جائے گی تو تمہاری مدد کی جائے گی“۔

اسے امام بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

☆ **ایک مسئلہ:**

کیا انسان کے لئے کسی اہلیت والے کی عدم موجودگی کی صورت میں ولایت یا وظیفہ طلب کرنا جائز ہے، اور کیا یہ امارت وولایت طلبی کی مذمت سے متعارض ہے؟

☆ امام قرطبی رحمہ اللہ یوسف علیہ السلام کے سلسلہ میں اللہ کے فرمان:

{قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ} (سورۃ یوسف:۵۵)۔

”یوسف نے کہا: آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا باخبر ہوں“۔

کے تحت اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یوسف علیہ السلام نے اس لئے ولایت مانگی تھی کہ آپ جانتے تھے کہ عدل، اصلاح اور فقراء ومحتاجین کو حق پہنچانے میں کوئی ان کا قائم مقام نہیں ہے، چونکہ آپ کے سوا کوئی دوسرا اس کا اہل نہیں تھا' اس لئے آپ نے اسے اپنے آپ پر حتمی اور فرض سمجھا۔ اور یہی حکم آج بھی ہے کہ جو اپنی ذات کے بارے میں جانتا ہو کہ قضا یا فریضۂ دعوت واصلاح میں حق پر قائم رہے گا اور کوئی دوسرا اس کا اہل یا قائم مقام نہ ہو تو یہ چیز اس پر طے ہوگی، اور اس کے لئے اس ذمہ داری کا لینا، مطالبہ کرنا اور اس سلسلہ میں اپنے علم واہلیت وغیرہ سے متعلقہ صفات سے مطلع کرنا ضروری ہوگا' جن کی بنا پر وہ اس کا مستحق ہے، جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے کہا تھا۔ لیکن اگر کوئی اس کا اہل اور قائم مقام ہو' جس کا اسے علم ہو تو نہ طلب کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن سے فرمایا تھا: **”لا تسأل الإمارة“** امارت نہ مانگو۔

اور اس لئے بھی کہ اس کام کی بکثرت آفتوں اور اس سے چھٹکارے کی دشواریوں کے باوجود اس کا مانگنا اور خواہش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اسے اپنی ذات اور اپنے مقاصد کے لئے مانگتا ہے، اور جس کی یہ حالت ہو اس کے بارے میں قریبی امکان ہے کہ اپنی ذات سے مغلوب ہو کر ہلاک وبرباد ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”وکل إلیها“ (اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا) کا یہی معنیٰ ہے، اس کے برخلاف اس کی آفتوں کے علم اور اس کے حقوق میں کوتاہی کے خوف سے اس کا انکار کرنے والا اس سے فرار اختیار کرے گا، اور اگر کبھی ناخواہی اس سے دوچار بھی ہو جائے گا تو اس سے نجات وخلاصی کی امید ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”أعین علیها“ (اس پر اس کی مدد کی جائے گی) کا یہی معنیٰ ہے“۔

☆ امام نووی رحمہ اللہ 'ریاض الصالحین' میں فرماتے ہیں:

”باب النهي عن سؤال الإمارة واختیار ترک الولایات إذا لم یتعین علیه أو تدع حاجة إلیه“۔

عہدہ ومنصب مانگنے کی ممانعت' اور حتمی ولازم نہ ہونے کی

صورت میں یا بلاضرورت، عہدہ ومنصب چھوڑ دینے کا بیان۔

☆ اور شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اس مسئلہ سے متعلق اپنے ایک جواب میں فرماتے ہیں: ''قضاء، تعلیم، فتویٰ اور خطابت وغیرہ دینی مناصب نہایت اہم اور نیک مناصب ہیں، مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے، اگر علماء اس سے دور بھاگیں گے تو ان مناصب پر جہلاء فائز ہوں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، لہٰذا اس سلسلہ میں جن علماء وفقہاء کی ضرورت ہو، انہیں ان مناصب کو قبول کرنا واجب ہے، کیونکہ قضاء، تدریس، خطابت اور دعوت إلی اللہ وغیرہ کے مناصب فرض کفایہ ہیں، لیکن جب کسی صاحب اہلیت پر یہ چیز طے ہو جائے تو اس پر واجب ہوجاتی ہے اور اس کے لئے اعتذار اور کنارہ کشی اختیار کرنا جائز نہیں رہ جاتا۔

پھر اگر معلوم ہو کہ کوئی اہلیت والا موجود ہے، اور اب اس پر یہ چیز واجب نہیں رہ گئی ہے، تو موزوں ومناسب ترین کا انتخاب کیا جائے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب انہوں نے مصلحت دیکھا تو عہدہ ومنصب کا مطالبہ کیا۔ لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ اگر مصلحت کا تقاضہ ہو تو منصب ووظیفہ کا مطالبہ کرے اور اسے تسلیم کرلے، خواہ وہ قضاء یا تدریس، یا وزارت یا اور کوئی منصب ہو، بشرطیکہ اس کا مقصد اصلاح وخیر ہو، اس کا مقصد دنیا طلبی نہیں بلکہ اللہ کی رضا جوئی، آخرت میں حسن انجام، اور لوگوں کو اولاً دینی پھر دنیوی فائدہ پہنچانا مطلوب ہو۔ مناصب پر جاہلوں اور فاسقوں کا فائز ہونا پسند نہ کرے، اور نیک نیتی اور عمل میں صدق وسچائی سے بندہ کو توفیق اور اللہ کی مدد ملتی ہے، جب بندہ اللہ کے لئے نیک نیت ہوتا ہے اور خیر وبھلائی میں اپنے کوشش صرف کرتا ہے تو توفیق الٰہی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اسی قبیل سے عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''يا رسول الله ! اجعلني إمام قومي، فقال النبي ﷺ: أنت إمامهم واقتد بأضعفهم، واتخذ مؤذنا لا يأخذ على أذانه أجراً'' (اسے امام احمد، ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے، اور امام البانی نے صحیح قرار دیا ہے، صحیح ابوداود، (۴۹۷))۔

''اے اللہ کے رسول! مجھے اپنی قوم کا امام بنا دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اُن کے امام ہو، اُن میں سے کمزور ترین کا خیال کرو، اور ایسے موذن کا انتخاب کرو جو اپنی اذان پر مزدوری نہ لے''۔

چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے شرعی مصلحت کے پیش نظر اپنی قوم کی امامت کا مطالبہ کیا تاکہ انہیں خیر کی رہنمائی کریں اور تعلیم دیں اور انہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا تھا۔

علماء کرام فرماتے ہیں: ''امارت وولایت کا منصب مانگنا اس صورت میں منع ہے جب اس کی حاجت نہ ہو، کیونکہ یہ خطرناک ہے، جیسا کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے، لیکن اگر حاجت اور شرعی مصلحت منصب وعہدہ کے مطالبہ کی متقاضی ہو تو جائز ہے، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے'' (فتاوی البلد الحرام، (۱۲۵۹) قدرے تصرف کے ساتھ، اور مزید فائدہ کے لئے دیکھیں: فتح

ذی الجلال والاکرام شرح بلوغ المرام، از شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ، ۲/۲۰۸-۲۱۶)۔

۴۔ زینت و جمال اور شہرت طلبی میں فرق ہے:

انسان کا اللہ کی عطا کردہ نعمت سے زینت کرنا اور زندگی کے مختلف گوشوں میں اپنی ذات پر اللہ کی نعمت کا اظہار کرنا، شہرت طلبی نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں شہرت اور لوگوں کے درمیان فخر و غرور کی خواہش شامل نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن الله جميل يحب الجمال" رواه مسلم وغيره۔

"بیشک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے"۔

اسے امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

"إن الله يحب أن يرى أثر نعمته على عبده" رواه الترمذي والحاكم۔ (صحیح الجامع، حدیث (۱۸۸۷))

"بیشک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے"۔

اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

۵۔ ذکر خیر باقی رکھنا شہرت طلبی کے قبیل سے نہیں ہے:

اللہ کے لئے مخلص انسان کو اپنی موت کے بعد اپنا ذکر خیر باقی رکھنا اور بلند کرنا چاہیے، اس امید سے کہ اس کی اقتدا اور اس کے لئے دعاء خیر کریں گے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی و خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

{وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ} (سورۃ الشعراء: ۸۴)۔

"اور میرا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ"۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس میں کوئی گناہ نہیں کہ آدمی نیک تعریف اور صالحین کے عمل میں دیکھے جانے کی خواہش کرے، بشرطیکہ اس کا مقصد اللہ عزوجل کی رضا جوئی ہو"۔

تفسیر قرطبی میں مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

میں کہتا ہوں: ذکر خیر کی بلندی اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا احسان فرمایا ہے، ارشاد باری ہے:

{وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ} (سورۃ الانشراح: ۴)۔

اور ہم نے آپ کا ذکر بلند فرمایا۔

دقات قلب المرء قائلة له
إن الحياة دقائق وثوان
فارفع لنفسک قبل موتک ذکرها
فالذکر للإنسان عمر ثان

انسان کے دل کی دھڑکنیں اُس سے کہہ رہی ہیں کہ زندگی چند منٹوں اور سکنڈوں کا نام ہے، لہٰذا اپنی موت سے قبل اپنے نفس کا ذکر بلند کرو، کیونکہ ذکر خیر انسان کی دوسری زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے خیر کی کنجیاں، ہدایت دہندہ، ہدایت یافتہ اور متقیوں کا امام بنائے۔

❖ ❖ ❖

[۲]

خصوصی مضمون

مسلمانوں کا عروج وزوال قرآن وسنت کی روشنی میں

اوراس عروج وزوال میں نوجوانوں کا کردار

محمد مقیم فیضی

حدیث : میری امت امت مرحوم ہے کی شرح :

’’میری امت امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں کوئی حساب اور عذاب نہیں ہے اس کا عذاب تو بس قتل، زلزلوں اور فتنوں میں ہے‘‘۔

اس سے مراد : (۱) اس وقت موجود امت کے لوگ مراد ہیں یعنی ان کے زمانے کے لوگ۔ (۲) یہ عام ہے ہر زمانے کے امتی مراد ہیں۔ (۳) امت کے خواص مراد ہیں۔ (۴) وہ لوگ مراد ہیں جو شرک نہیں کرتے ہیں۔ (۵) مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

امت مرحوم : مطلب یہ ہے کہ اسے زائد رحمت اور اتمام نعمت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یا مختلف قسم کی مشقتیں اور طوق وبیڑیاں جو دیگر امتوں پر تھیں ان سے اسے محفوظ کر دیا ہے۔ مثلاً : توبہ میں قتل ہونا، زکاۃ میں ربع مال دینا، نجاست جس جگہ لگ جائے اس کا کاٹ دینا وغیرہ۔

اس پر کوئی عذاب آخرت میں نہیں ہے :

● یعنی اگر ان میں سے کسی پر عذاب ہوگا تو وہ کفار جیسا نہیں ہوگا۔

● سارے اعضاء پر عذاب نہیں ہوگا، کیونکہ اعضاء وضوء کو آگ نہیں جلائے گی۔ مگر مناوی کہتے ہیں کہ یہ قول تکلف پر مبنی ہے، اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

● ان لوگوں کے متعلق غالب یہی ہوگا کہ ان کی مغفرت کردی جائے گی۔

● ملا علی قاری صاحب مرقاۃ میں فرماتے ہیں : ان کا بیشتر عذاب یہی ہوگا کہ ان کے (قابل گرفت) اعمال کا بدلہ آزمائشوں، بیماریوں اور مختلف قسم کی بلاؤں کی شکل میں دنیا ہی میں دے دیا جائے گا جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں محقق کیا گیا ہے : ﴿مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ﴾ ’’جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا‘‘ (النساء:۱۲۳) انتھی۔

● **دنیا میں اس کا عذاب فتنے ہیں :** مطلب ان کے درمیان واقع ہونے والی جنگیں ہیں۔

زلزلے ہیں : یعنی آفتیں، مصیبتیں اور طرح طرح کی پریشانیاں۔

قتل ہے : یعنی ان میں سے بعض کا بعض کو قتل کرنا مراد ہے۔

اور دنیا کا عذاب آخرت سے ہلکا ہی ہوتا ہے :

● **مناوی فرماتے ہیں :** سابقہ امتوں کا حال یہ تھا کہ ان کے ساتھ تعامل منہج عدل اور اساس ربوبیت پر جاری تھا، جبکہ اس امت کے ساتھ تعامل منہج فضل ومہربانی اور جود وسخاوت الٰہیت پر جاری ہے۔

● کچھ اہل علم نے فرمایا کہ یہ مشکل حدیثوں میں سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت میں سے کسی کو عذاب ہوگا ہی نہیں خواہ اس نے کبائر وغیرہ کا ہی ارتکاب کیوں نہ

کیا ہو جبکہ دیگر ایسی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں مرتکب کبیرہ کی تعذیب کا اثبات کیا گیا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس میں یہ تاویل کر دی جائے کہ یہاں امت سے مراد وہی لوگ ہیں جنھوں نے کما حقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہو، ان کے احکام وہدایات کے پابند رہے ہوں اور ان باتوں سے باز آ گئے ہوں جن سے انھوں نے روک دیا تھا۔

اس سلسلے میں مختلف جوابات دئے گئے ہیں پھر ان پر بھی اشکالات پیش کئے گئے ہیں تاہم علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی تشفی بخش شرح فرمائی ہے۔ علامہ ان لوگوں کی خطا واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن لوگوں نے اس حدیث: ''**امتی امة مرحومة، ليس عليها فى الآخرة حساب ولا عذاب، وانما عذابها فى القتل والزلازل والفتن**'' کی تضعیف اس حجت کے ساتھ کی تھی کہ وہ ان احادیث کے مخالف ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کچھ لوگ شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے جائیں گے:

حقیقت یہ ہے کہ اگر کھوٹی تحقیق کے مظاہرے سے دور ہو کر اس پر غور و تامل کیا جائے تو کوئی تعارض نظر نہیں آ سکتا ہے جیسا کہ اس صحیح حدیث کا امر واقع ہے، کیونکہ اس میں امت کے افراد میں سے ہر فرد نہیں مراد ہے، بلکہ صرف وہی لوگ مراد ہیں جن کے گناہوں کا کفارہ اس دنیا میں لاحق ہونے والی بلاؤں سے ہو گیا ہو، جیسا کہ بیہقی نے ''شعب الایمان'' (۱/۳۴۱) میں فرمایا ہے کہ: ''حدیث شفاعت ان لوگوں کے متعلق وارد ہے جن کے گناہوں کا اس دنیا میں کفارہ نہ ہو گیا ہو''۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اس قبیل سے ہے جس میں کل بول کر بعض مراد لیا جاتا ہے، یہاں ''امت'' کا اطلاق کر کے بعض امت لیا گیا ہے؛ اور یہ وہ لوگ ہوں جن کے گناہوں کا حدیث میں مذکورہ بلاؤں وغیرہ سے کفارہ ہو گیا ہوگا۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد کفارات کس قدر کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں! والحمد للہ، اور اسی موضوع پر حافظ ابن حجر نے اپنی معروف کتاب تالیف کی ہے جس میں مکفرات کا بیان ہے۔ (السلسلة الصحيحة: ۲/۷۲۷-۷۲۸)

اس حدیث کے متعلق شیخ عبدالمحسن بن عباد کی وضاحتیں:

سوال: ''میری امت امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہے''؟ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟

جواب: دنیا میں جو کچھ حالات اسے پیش آئیں گے وہ آخرت میں اس کے لئے سلامتی کا سبب بن جائیں گے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، بلکہ جو شخص گناہوں اور معصیتوں کا مرتکب ہوگا اور اللہ نے اسے معاف نہیں کیا ہوگا تو وہ عذاب میں گرفتار ہوگا، لیکن دنیا میں جو مصائب وغیرہ اسے لاحق ہوں گے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کی مغفرت کا سبب بن جائیں گے، ہاں حدیث کی دلالت اس بات پر ضرور ہے کہ دنیا میں انسان پر عذاب ہوتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر مسلمان جہنم کے عذاب سے محفوظ رہے گا، بلکہ بہت سی حدیثیں ایسی وارد ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کبائر کا ارتکاب کرنے والے جہنم میں جائیں گے، اور وہ لوگ شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکلیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''**إن لكل نبي دعوة مستجابة دعا بها فاستجيب له، وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي**''

ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے جسے ہر ایک نے مانگ لی ہے، جبکہ میں نے اسے اپنی امت کی شفاعت کی دعا کے لئے چھپا رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اہل کبائر کی شفاعت کریں گے، اسی لئے جسے اللہ معاف نہیں کرنا چاہے گا اسے جہنم میں عذاب سے دوچار کر دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب کا یہی معاملہ ہوگا، بلکہ وہ کچھ ہی لوگ ہوں گے جنھیں عذاب سے سلامتی نصیب ہوگی۔

اور حدیث کے یہ الفاظ کہ: ''**إن بحسبكم القتل**'' تو اس کے متعلق عظیم آبادی صاحب فرماتے ہیں: اس جملے کا

معنی یہ ہے کہ اگر فتنے نے تمہیں اپنی گرفت میں لے لیا تو اس میں قتل ہی تمہارے لئے کافی ہوگا، یعنی مقتول ہوجاؤ، تمہیں جو ضرر لاحق ہوگا وہ قتل کے سوا کچھ اور نہ ہوگا، اب رہی تمہاری عاقبت کے برباد ہونے کی بات تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ وہاں اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہاری مغفرت کردے گا۔

اور اس جملے کا مجھ پر جو معنی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں تو اس امت کو قتل، مصیبتوں اور فتنوں کا سامنا ضرور ہوگا مگر آخرت میں ہلاکت کی نوبت نہیں آئے گی، مگر جیسا کہ معلوم ہے آخرت میں سارے ہی لوگ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ عزوجل جسے چاہے گا اسے عذاب دے گا۔ مگر کفار کی طرح انہیں دائمی عذاب نہیں ہوگا۔(شرح سنن ابی داود للعباد مکتبہ شاملة)

اس بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم واطلاق پر نہیں ہے بلکہ مخصوص منہ البعض ومقید ہے۔ مگر اس کی دلالت اس بات پر ضرور ہے کہ ان فتنوں، مصیبتوں اور قتل ناحق کا جو بھی شکار ہوگا اس سے اسے گناہوں کی تکفیر اور معافی کا فائدہ ضرور ملے گا۔

ذلت کے اسباب پر دلالت کرنے والی ایک دوسری حدیث :

''إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ''

''جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے (سامان خریدنے کے نام پر حیلے سے سود کھانے لگو گے)، گایوں کی دم پکڑ لو گے، کھیتی باڑی پر راضی ہوجاؤ گے اور جہاد ترک کردو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جسے اس وقت تک نہیں اٹھائے جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ آجاؤ''۔

علامہ البانی اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دیکھو کیسے اس حدیث میں اس بات کو کھول کر بیان کردیا ہے جسے ابوامامہ کی گزشتہ حدیث میں مجمل بیان کیا تھا، یہاں بتادیا کہ ذلت کا مسلط کیا جانا محض زراعت اور کھیتی باڑی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس میں کلی انہماک اور حد درجہ مشغولیت کی وجہ سے ہے جس کی بنا پر جہاد فی سبیل اللہ کی طرف مطلق توجہ نہیں رہ جاتی ہے، ہاں حدیث سے یہی مراد ہے، اب رہی وہ کھیتی باڑی جس میں یہ کیفیت نہ پیدا ہو اور مذکورہ صورت حال میں سے کچھ بھی نہ پیش آئے تو پھر اس سے مراد وہ ہوگی جس کا ذکر کھیتی باڑی کی ترغیب دینے والی احادیث میں وارد ہے اس لئے ان کے درمیان نہ کوئی تعارض ہے نہ اشکال ہے۔

علامہ نے اس پر گفتگو ایک دوسری حدیث کے ضمن میں بھی کی ہے اور چونکہ وہ حدیث بھی ہمارے موضوع سے بہت متعلق ہے اس لئے ہم اسے بھی یہاں بیان کرکے پھر اس گفتگو کو نقل کرتے ہیں :

- ''**إن هذا الامرفي قريش لا يعاديهم أحد إلاكبه الله على وجهه ما أقاموا الدين**'' (بخاری، دارمی، احمد وغیرہ الصحیحة:۲۸۵۶) یہ حکومت قریش ہی میں رہے گی جو بھی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اسے منہ کے بل الٹ دے گا جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔

اب ہم علامہ البانی کی گفتگو نقل کررہے ہیں فرماتے ہیں :

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ (جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے) اس سے مراد اس مدت تک (ان کی حکومت کا قیام) ہے جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ دین کو قائم نہیں رکھیں گے تو حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ اور اس معنی پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث بھی ہیں جن میں سے ایک (۱۵۵۲) پر گزر چکی ہے، اور اس کے بعد آنے والی حدیث پر بھی نگاہ ڈال لیجیے۔ اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کیا ہے (۱۳/۱۱۷) پر فرماتے ہیں : ''بقیہ احادیث سے یہ بات ماخوذ ہوتی ہے کہ حکومت ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا معاملہ اول تو اس

وقت سامنے آئے گا جب وہ صورت حال پیش آئے گی جس کے متعلق انہیں اللہ کی طرف سے دھمکی دی گئی تھی، اور وہی بے توفیقی اور فساد تدبیر کا موجب ہوگی اور ایسی صورت حال دولت عباسیہ کے آغاز میں رونما ہو چکی ہے، پھر انہیں اس بات کی دھمکی دی گئی ہے کہ ان پر وہ لوگ مسلط ہو جائیں گے جو انہیں اذیت سے دوچار کریں گے، اور ایسا ہی ہوا جب ان کے غلام ان پر ایسے حاوی ہو گئے کہ وہ ان کے سامنے ان بچوں کی طرح ہو گئے تھے جن پر پابندی لگا دی گئی ہو، بس انہیں اپنی لذتوں سے کام رہ گیا تھا، باقی کاروبار حکومت دوسرے ہی چلاتے تھے، پھر یہ مصیبت اس وقت اور شدید ہوگئی جب ان پر دیلمی (آزر بائجان وغیرہ کے علاقوں کے لوگ) غالب آ گئے، انھوں نے تو ہر چیز میں انہیں تنگ کیا یہاں تک خلیفہ کے لئے خطبے کے سوا کچھ اور نہیں بچا، اور ان قابض غلاموں نے سارے ممالک آپس میں تقسیم کر لئے، پھر یکے بعد دیگرے الگ الگ گروہ ان پر آتے رہے یہاں تک کہ تمام ملکوں میں حکومت ان سے چھین لی گئی اور خال خال ملکوں میں صرف خلیفہ کا نام ہی رہ گیا تھا''۔

میں (البانی) کہتا ہوں : کل اور آج میں کتنی مماثلت ہے، بلکہ اب تو صورت حال بدتر ہو چکی ہے، آج تو رسمی طور پر یا برائے نام ہی سہی ان کا کوئی خلیفہ نہیں ہے، یہود، کمیونسٹ اور منافقین بہت سے اسلامی ممالک پر قابض ہو چکے ہیں، اب تو بس اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنی مقررہ شریعت کے تمام احکام پر عمل کی توفیق دے دے اور ان میں جو حکام ہیں ان کے اندر یہ بات ڈال دے کہ وہ سب ایک ایسی حکومت میں متحد ہو جائیں جو شریعت الٰہی کی پابند ہو تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عزت اور آخرت میں سعادت سے نوازے۔ ورنہ پھر وہی ہوگا جو اللہ نے فرمایا ہے: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ)(الرعد:۱۱) ''کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے''۔

اور اس کی تفسیر حدیث صحیح میں یوں آئی ہے کہ ''جب تم بیع عینہ... لہٰذا اے حاکم ومحکوم مسلمانوں تم سب اپنے دین کی طرف واپس آجاؤ۔(الصحیحۃ)

اب آیئے ان دونوں حدیثوں پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں جن کی طرف علامہ نے اوپر اشارہ فرمایا ہے کیونکہ وہ دونوں بھی موضوع سے متعلق ہیں :

- ''**أما بعد يا معشر قريش! فإنكم أهل هذا الأمر مالم تعصوا الله، فإذا عصيتموه بعث إليكم من يلحاكم كما يلحى هذا القضيب. لقضيب في يده**''(الصحیحۃ:۱۵۵۲)

امابعد! اے قریشیو! اس حکومت کے اہل تمہیں رہو گے جب تک اللہ کی نافرمانی نہیں کرو گے، پھر جب اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہاری طرف ایسوں کو بھیج دے گا جو تمہیں ایسے ادھیڑ دیں گے جیسے یہ لکڑی ادھیڑی جاتی ہے۔ آپ نے یہ بات اپنے ہاتھ میں موجود ایک لکڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمائی۔

یہ حدیث عبداللہ بن مسعود کے واسطے سے آئی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اسّی کے قریب قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، ان میں کوئی ایک بھی غیر قریشی نہیں تھا، اللہ کی قسم اس دن ان کے رخساروں پہ جو حسن تھا میں نے ویسا حسن کبھی مردوں کے چہروں پر نہیں دیکھا، ان سب نے عورتوں کا ذکر چھیڑ دیا، اور انہیں کے متعلق گفتگو کرنے لگے، آپ نے بھی ان کی گفتگو میں شرکت فرمائی، یہاں تک کہ میرے اندر یہ چاہت پیدا ہوئی کہ آپ خاموش ہو جاتے، بیان کرتے ہیں پھر میں ان کے پاس آیا تو انھوں نے شہادتین پڑھی اس کے بعد فرمایا (پھر مذکورہ حدیث بیان کی) اس کے بعد انھوں نے اپنی لکڑی کی چھال اتار دی اور وہ سفید چکنی نکل آئی''۔

(اس روایت کو احمد، ابو یعلی اور طبرانی وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد شیخین کی شرط پر صحیح ہے)

علامہ البانی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلام نبوت میں سے ایک علم (یعنی نشانی) ہے، چنانچہ مختلف صدیوں تک خلافت قریش ہی میں رہی، پھر ان کے دن پھر گئے، کیونکہ انھوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اپنی خواہشات نفس کے پیروکار بن گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عجمیوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے ان کے ہاتھوں سے حکومت چھین لی اور ان کے بعد مسلمان ذلیل ہوگئے۔ اس لئے اگر مسلمان اسلامی حکومت کی واپسی کے لئے کوشاں ہیں اور صدق دلی کے ساتھ اس پر آمادہ ہیں تو ان سب پر واجب ہے کہ اپنے رب سے توبہ کریں، اپنے دین کی طرف رجوع ہوں، اور شرعی احکام کے پابند ہوجائیں۔ اور اسی پابندی کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ حدیث وفقہ کی کتابوں میں معروف شرطوں کے ساتھ خلافت قریش میں آئے، اور لوگ اپنے آراء واہواء اور باپ دادا کی روش کی پیروی چھوڑ دیں اور ان کی تقلید سے باز آجائیں، ورنہ وہ دوسروں کے محکوم ہی رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کرکے سچ فرمایا ہے کہ: (إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ) ''کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے''۔ (رعد:۱۱) اور انجام متقیوں کے لئے ہی ہے۔

اور آنے والی دوسری حدیث جس کی طرف علامہ نے اشارہ کیا تھا وہ شاید انھوں نے اس کے بعد درج کی ہے مگر یہ حدیث جو یہاں بیان کی ہے ایک دوسرے معنی سے خاص اہمیت کی حامل ہے جس پر انھوں نے تفصیلی گفتگو کی ہے جو پیش خدمت ہے :

● ''**إنكم إن شهدتم أن لا إله إلا الله وأقمتم الصلاة وآتيتم الزكاة وفارقتم المشركين أعطيتم من الغنائم الخمس وسهم النبي ﷺ، والصفي -وربما قال: وصفيه- فأنتم آمنون بأمان الله وأمان رسوله**'' (الصحيحة:۲۸۵۷)

اگر تم لا إلہ إلا اللہ کی شہادت دو، نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو، مشرکوں سے جدا ہوجاؤ، مال غنیمت کا پانچواں حصہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور صفی۔ اور ممکن ہے ان کا صفی کہا ہو۔ دے دیتے ہو تو تم اللہ کے دئے ہوئے اور اس کے رسول کے دئے ہوئے امان سے مامون ہوجاؤ گے''۔

بیہقی، احمد اور خطابی کی غریب الحدیث کے حوالے سے یزید بن عبداللہ بن خیر سے حدیث بیان کی ہے کہ ہم مربد میں تھے کہ ہمارے پاس ایک اعرابی پراگندہ بال آئے، ان کے پاس چمڑے یا بورے کا ایک ٹکڑا تھا، ہم نے کہا: گویا یہ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا: ہاں، یہ ایک تحریر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے لکھی تھی، لوگوں نے کہا: لاؤ ہمیں دو، پھر میں نے اسے لے لیا اور پڑھا تو اس میں تحریر تھا بسم الله الرحمان الرجيم: یہ تحریر ہے محمد نبی کی طرف سے جو اللہ کے رسول ہیں بنی زہیر بن اقیش کے لئے لکھی گئی ہے۔ ابوالعلاء فرماتے ہیں : یہ عکل کی ایک شاخ ہے۔ : اور مذکورہ حدیث بیان کی۔ علامہ اس کی اسناد کو شیخین کی شرط پر ٹھہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابی کا مجہول ہونا مقررہ اصول کے مطابق کچھ مضر نہیں ہے۔

(صفی) کا مطلب مال غنیمت میں سے وہ سامان: گھوڑا یا غلام یا تلوار یا دیگر پسندیدہ چیزیں ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے منتخب فرمالیں، اور انتخاب پانچ حصوں میں مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے اصل مال میں ہی ہوتا تھا، اور یہ تینوں چیزیں جو حدیث میں مذکور ہیں : (یعنی پانچواں حصہ، اور سہم (حصہ) اور صفی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اور یہ انتظام اس لئے

کیا گیا تھا کہ آپ پر جو صدقہ حرام کر دیا گیا تھا یہ چیز اس کے عوض اور بدل کے طور پر ہو جائے۔ یہ بات خطابی نے کہی ہے۔

میں کہتا ہوں : اس حدیث میں بعض احکام ان کفار سے متعلق ہیں جنھیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ (جب وہ مسلمان ہو جائیں) اور اپنے اوپر عائد فرائض کی ادائیگی کرنے لگیں تو انہیں امان مل جائے گی۔ اور انہیں میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ مشرکوں سے جدا ہو کر مسلم ممالک کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس موضوع سے متعلق بہت سی احادیث موجود ہیں اور وہ سب کی سب مسلمان ہونے والے کو مفارقت (مشرکوں سے الگ ہو جانے) کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ : ''**أنابريء من كل مسلم يقيم بين اظهر المشركين، لا تتراءى نارهما**'' میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہو، (خبردار) ان دونوں کو ایک دوسرے کی آگ دکھائی نہ دے۔

اور بعض احادیث میں تو آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں سے بیعت میں یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مشرکوں سے جدا ہو جائیں گے۔ اور بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

''**لا يقبل الله عزوجل من مشرك بعد ما أسلم عملا، أو يفارق المشركين إلى المسلمين**'' اللہ عزوجل اسلام لانے کے بعد کسی مشرک کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں نہ چلا آئے۔ ان کے علاوہ دیگر احادیث بھی ہیں جن کی تخریج میں نے ''ارواء'' (۵/۲۹-۳۳) اور گزشتہ (۶۳۶) نمبر کے تحت کی ہے۔

اور نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان -الحمد للہ اپنی کثرت کے باوجود- مفارقت اور بلاد اسلام کی طرف ہجرت کے اس حکم پر عمل نہیں کرتے ہیں، صرف تھوڑے سے لوگ ہیں جو اس پر توجہ دیتے ہیں، مجھے تو اس کی دو ہی وجہیں سمجھ میں آتی ہیں :

اول : دنیاداری میں انہماک اور اپنے ملکوں میں خوشحالی اور عیش وعشرت کی جو زندگی انہیں بے روح مادی آسائشوں کی شکل میں فراہم ہے وہ انہیں اسلامی ممالک کی طرف منتقل نہیں ہونے دیتی ہے کیونکہ عام طور پر یہاں وہ آسائشیں مہیا نہیں ہوتی ہیں، اس لئے یہاں آنے پر ممکن ہے انہیں ان کے نقطہ نظر کے مطابق ایک باوقار وخوشگوار زندگی نہ نصیب ہو سکے۔

دوم : اور یہی زیادہ اہم ہے۔ یہ ہے کہ انہیں یہ حکم معلوم ہی نہیں ہے، اور وہ اس سلسلے میں معذور ہیں، کیونکہ انھوں نے کسی بھی ایسے داعی کی زبانی یہ بات سنی ہی نہیں ہے جن کی باتیں کچھ اجنبی زبانوں (فارن لینگویج) میں ترجمہ کر کے نشر کی جاتی ہیں، یا جو لوگ دعوت کے نام پر ان کے پاس جایا آیا کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر خود ہی فقیہ (دین فہم) نہیں ہیں بالخصوص تبلیغی جماعت کے لوگ۔ بلکہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں نے اس حکم کو الٹ دیا ہے اور وہ خود ہی اپنا ملک چھوڑ کر کفار کے ملکوں میں جا بسے ہیں تو وہ اپنے ملکوں سے اور چپک جاتے ہیں! بھلا بتایئے کہ جب خود مسلمان ہی اس حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو ان لوگوں کو اس جیسا حکم کیسے معلوم ہو سکے گا جنھیں اللہ نے (نئے نئے) اسلام میں آنے کی ہدایت دی ہے؟!

خیر انہیں اور انہیں سب کو یہ جان لینا چاہیے کہ ہجرت جہاد ہی کی طرح جاری ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''**لا تنقطع الهجرة مادام العدو يقاتل**'' ہجرت اس وقت تک منقطع نہ ہوگی جب تک دشمن سے قتال ہوتا رہے گا۔، ایک دوسری حدیث میں ہے :

''**لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة، ولا تنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها**'' ہجرت منقطع نہ ہوگی یہاں تک کہ توبہ منقطع ہو جائے اور توبہ نہ

منقطع ہوگی یہاں تک کہ سورج اپنے مغرب سے نہ نکل آئے۔

اس حدیث کی تخریج ''ارواء'' (۱۲۰۸) میں موجود ہے۔

جس بات کو علم میں رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہجرت کی مختلف قسمیں ہیں اور اس کے اسباب بھی متعدد ہیں، مگر ان کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ بلاد کفر کی طرف سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت ضرور کر لینی چاہیے خواہ ان کے حکام اسلام سے کتنے ہی منحرف یا اس کے احکام کے نفاذ میں کتنے ہی کوتاہ کیوں نہ واقع ہوئے ہوں کیونکہ وہ بہرحال بلاد کفر کے مقابلے میں اخلاقی، دینی اور عملی اعتبار سے بیشمار خوبیوں کی وجہ سے بدرجہا بہتر ہیں۔

-اور صاف صاف کہتا ہوں کہ- بات ویسی نہیں ہے جیسا کہ ایک جاہل، احمق اور کم عقل خطیب نے کہی ہے کہ: ''واللہ اگر مجھے اس بات کا اختیار دیا جائے کہ میں یہودی قبضے کے ماتحت قدس میں زندگی گزاروں یا کسی عربی ملک کی راجدھانی میں زندگی بسر کروں تو میں ضرور یہودی قبضے کے ماتحت قدس میں زندگی گزارنا پسند کروں گا''! مزید کہتا ہے: ''میری رائے تو یہی ہے کہ جزائر سے تل ابیب کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے''!! اللہ اس کی زبان بند کرے اس نے ایسا ہی کہا ہے۔ جبکہ اس کا باطل ہونا کسی بھی مسلمان پر خواہ وہ کتنا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو مخفی نہیں ہے!

حق پسند اور حق کی معرفت واتباع کے شدید خواہشمند قارئین کے ذہنوں سے بات کو قریب کرنے کے لئے بیان کرتا ہوں جو چلانے والوں کے شور وشغب، اداکاروں کی چیخ پکار، حسد وکینہ رکھنے والے خطباء ومولفین میں سے اینٹھن رکھنے والوں کے اضطراب کو خاطر میں لاتے ہیں نہ اس سے گھبراتے ہیں، ہاں میں انہیں احباب سے کہتا ہوں: کم ازکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو حدیثوں کو وہ ضرور یاد رکھیں:

۱- ''**إن الإيمان ليأرز إلى المدينة كما تأرز الحية إلى حجرها**''۔ یقیناً اسلام اسی طرح مدینے کی طرف لوٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف پلٹ آتا ہے۔ (اس کی تخریج بخاری ومسلم وغیرہ نے کی ہے)

۲- ''**لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حتى ياتيهم أمرالله وهم ظاهرون**''۔ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہنے کی وجہ سے سدا غالب رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ غالب ہی رہیں''۔ یہ ایک صحیح اور متواتر حدیث ہے، صحابہ کی ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے، اور ان میں سے ایک جماعت سے اس کی تخریج: (۲۷۰، ۱۱۰۸، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶) نمبروں کے تحت اور صحیح ابوداود (۱۲۴۵) میں ہوچکی ہے، اور ان میں سے بعض میں وارد ہے کہ: ''وہ اہل مغرب ہوں گے''، یعنی شام کے لوگ ہوں گے، اور بخاری وغیرہ کے یہاں بواسطہ معاذ بن جبل -مفسر- اور ترمذی وغیرہ کے یہاں مرفوعا ان الفاظ میں وارد ہے: ''**إذا فسد اهل الشام فلا خير فيكم، ولاتزال طائفة من أمتي..**'' الحدیث۔ جب اہل شام فاسد ہوجائیں گے (بگڑ جائیں گے) تو تم میں کوئی خیر نہ ہوگا، اور میری امت کا ایک گروہ سدا..''۔

ان احادیث میں اس بات کی طرف قوی اشارہ پایا جاتا ہے کہ ملکوں میں اعتبار باشندوں کا ہوتا ہے دیواروں کا نہیں۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابودرداء کو خط لکھا تھا تو اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا تھا جو ان کی اس دعوت کے جواب میں تھا کہ: ''ارض مقدس کی طرف چلے آیئے''۔ انھوں نے لکھا ہے: ''**إن الأرض المقدسة لا تقدس أحدا، وإنما يقدس الإنسان عمله**'' ارض مقدس کسی شخص کو مقدس نہیں بناتی ہے بلکہ انسان کو مقدس اس کا عمل بناتا ہے۔ (موطا امام مالک ۲/۲۳۵)

-اگر میں اسے قلت دین نہ کہوں تو کم ازکم یہ کہہ سکتا ہوں کہ- یہ غایت درجہ کی حماقت اور قاتل جہالت ہے کہ ایک کم عقل

خطیب غاصبانہ یہودی قبضے کے تحت رہائش کو اختیار کرتا ہے اور دبے کچلے جزائریوں پر یہ واجب کرتا ہے کہ وہ (تل ابیب) کی طرف ہجرت کریں۔ بجائے اس کے کہ انہیں اپنے مسلم ملک عمان کی طرف آنے کی ترغیب دیتا بلکہ بجائے اس کے کہ انہیں مکہ یا مدینے جانے کے لئے کہتا۔ اور اس فسق وفجور اور بے حیائی وبے حجابی کو نظر انداز کر دیتا ہے جو یہودیوں نے عام طور پر پورے فلسطین میں اور خاص طور پر (تل ابیب)، (حیفا) اور (یافا) میں پھیلا رکھی ہے، جو مجاورت (پڑوس) اور تعدیہ (چھوت چھات اور باہم رہن سہن) کی وجہ سے مسلم حضرات اور خواتین میں بھی سرایت کر چکی ہے، یہ باتیں ان لوگوں پر مخفی نہیں ہیں جو ان کے ساتھ رہے سہے ہیں پھر اللہ نے انہیں ان لوگوں سے نجات دے دی، یا پھر وہ اپنے اہل واقارب سے ملنے کبھی کبھی وہاں جایا کرتے ہیں، اور جس انسان کے پاس ذرا بھی علم ہوگا اس پر اس اختیار میں جو شرعی مخالفت ہے وہ پوشیدہ نہیں رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے: (اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا) ''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں، تم کس حال میں تھے؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ہے بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے، اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے جو کوئی اللہ کی راہ میں وطن کو چھوڑے گا، وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی، اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نکل کھڑا ہوا، پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے'' (النساء: ۹۷-۱۰۰)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے حق میں عام ہے جو ہجرت کی طاقت رکھنے کے باوجود مشرکین کے درمیان سکونت رکھتا ہو، اور (وہاں) دین کو قائم رکھنے پر قادر بھی نہ ہو، تو ایسا شخص اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور اس آیت کے نص اور اجماع کے مطابق حرام کا مرتکب ہے''۔ اور اس میں بھی کوئی فقیہ عالم شک نہیں کر سکتا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے بلاد کفر سے ہجرت سے زیادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور امام قرطبی نے تو اس کی صراحت بھی کر دی ہے، چنانچہ وہ اپنی تفسیر (۵/۳۴۶) میں فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ ایسی سرزمین کو چھوڑ جانا چاہیے جہاں معصیتوں کا ارتکاب کیا جاتا ہو، اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: ''جب کسی سرزمین پر معصیتوں کا ارتکاب ہوتا ہو تو وہاں سے نکل لو، اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: (اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا)۔ اس اثر کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر (۲/۱۷۴) میں حضرت سعید سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔ اور حافظ نے بھی ''فتح الباری'' میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے، چنانچہ (۸/۲۶۳) پر فرماتے ہیں: ''سعید بن

جبیر نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ جس سرزمین میں معصیتوں کا ارتکاب ہوتا ہو وہاں سے نکل جانا واجب ہے"[1]۔

① (کیا ہمارے وہ علماء کرام جو مخلوط مشاعروں کی محفلوں میں رونق افروز ہوتے ہیں، یا موسیقی کی دھنوں پر گائی ہوئی غزلیں اور گانے ایک دوسرے کو فارورڈ کرتے ہیں، یا عریاں تہذیب کی نمائندگی کرنے والے افسانے یا تحریریں ارسال کرتے ہیں ان کے نزدیک بھی ان آثار کی کوئی اہمیت ہے؟)

کچھ جاہل خطباء، دکاترہ اور اساتذہ (پروفیسران) یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول کہ: "**لاهجرة بعد الفتح**" "فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے" مطلق طور پر ہجرت کی ناسخ ہے، حالانکہ یہ کتاب وسنت اور اقوال ائمہ سے کھلی ہوئی ناواقفیت اور جہالت ہے، اور میں نے کچھ مدعیان علم پروفیسران سے یہ بات اس وقت سنی تھی جب میرے اور اس کے درمیان اس موقع پر مباحثہ ہوا تھا جب مذکورہ بالا خطیب نے جس کا بیان ابھی کیا گیا ہے میرے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا تھا، جب میں نے اس کے سامنے توبہ کے عدم انقطاع والی مذکورہ صریح حدیث پیش کی تو وہ لاجواب ہوگیا! اس موقع پر مذکورہ دونوں حدیثوں کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، امام صاحب "مجموع الفتاویٰ" (۲۸۱/۱۸) میں فرماتے ہیں: "وہ دونوں ہی حق ہیں، پہلی میں اپنے زمانے کی معہود ہجرت مراد لی ہے، یعنی مکہ وغیرہ سرزمین عرب سے مدینے کی طرف ہجرت کرنا کیونکہ یہ ہجرت اس وقت مشروع تھی جب مکہ وغیرہ دارکفر وحرب تھا اور ایمان مدینے میں تھا، اس لئے قدرت رکھنے والے پر دارکفر سے داراسلام کی طرف ہجرت واجب تھی، پھر جب مکہ فتح ہوکر دارالاسلام بن گیا اور عرب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ پوری سرزمین ہی دارالاسلام ہوگئی، اسی لئے فرمایا کہ: "**لا هجرة بعد الفتح**" "فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں"۔ اور کسی سرزمین کا دارکفر یا دارایمان یا دارفساق ہونا اس کا لازمی وصف نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے باشندوں کے اعتبار سے اس کا عارضی وصف ہے، چنانچہ ہر وہ سرزمین جہاں کے باشندے مومن ومتقی ہوں وہ اس وقت میں دار اولیاء اللہ ہوگی۔ اور ہر وہ سرزمین جہاں کے باشندے کفار ہوں وہ اس وقت میں دارکفر ہوگی، اور ہر وہ سرزمین جہاں کے باشندے فساق (گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں غرق ہوں) وہ اس وقت میں دارفسوق (عاصیوں کی بستی) ہوگی۔ پھر جب وہاں مذکورہ لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگ آبسیں اور وہ ان کے علاوہ سے بدل جائے تو پھر وہ انہیں کا گھر ہوجائے گی (اور انہیں کا دار کہلائے گی جو وہاں آبسے ہیں) اسی طرح اگر کوئی مسجد میخانے میں بدل جائے، یا مقام فسق وفجور یا جائے ظلم وستم بن جائے، یا گرجے میں تبدیل ہوجائے، اس میں شرک باللہ ہونے لگے تو وہ اپنے باشندوں کے اعتبار سے ہی ہوگی، اسی طرح جب کوئی میخانہ یا رنگ رلیوں کا مقام اور اسی طرح کی جگہ مسجد بنادی جائے اور وہاں اللہ عزوجل کی عبادت ہونے لگے تو پھر اس کا شمار اسی اعتبار سے کیا جائے گا۔ اور یہی معاملہ اس نیک آدمی کا بھی ہے جو فاسق بن جائے، اور کافر کا ہے جو مومن بن جائے یا مومن کا ہے جو کافر بن جائے، اور اسی طرح کے اور بھی حالات میں حکم یہی ہے۔ ہر ایک پر اسی کا حکم لگے گا جس حال میں وہ سابقہ حال سے منتقل ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً) "اللہ تعالیٰ اس بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو پورے امن واطمینان سے تھی" (النحل: ۱۱۲) یہ آیت مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب وہ دارکفر تھا، حالانکہ فی نفسہ وہ اللہ کی سب سے بہتر سرزمین تھی اور سب سے محبوب سرزمین تھی، اور آیت میں مراد اس کے سکان ہیں۔ چنانچہ ترمذی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حزورہ

میں کھڑے ہوکر مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اللہ کی قسم تو اللہ کی سرزمین میں سب سے بہتر ہے اور ساری دنیا کی سرزمینوں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نکال نہ دیا ہوتا تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کر نہ جاتا② اور ایک روایت میں ہے: ''تو اللہ کی سب سے بہتر سرزمین ہے، اور اللہ کی سرزمین میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے'' دیکھیے یہاں صاف کہہ دیا ہے کہ مکہ کی سرزمین اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب ہے، اور ان کا اور ان کے ساتھی مومنوں کا مدینہ میں سکونت اختیار کرنا مکہ میں رہنے سے افضل اس لئے ہوا کہ وہ ان کا دار ہجرت تھا، اسی لئے سرحدوں کی نگہبانی پر تعینات رہنا مکہ ومدینہ کی مجاورت سے افضل ہے جیسا کہ صحیح میں ثابت حدیث ہے کہ: **''رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه، وإن مات فيه جرى عليه عمله الذي كان يعمل وأجري عليه رزقه وأمن من الفتان''** ایک روز وشب اللہ کی راہ میں نگہبانی اور پہرے داری کرنا مہینے بھر صیام وقیام (روزہ رکھنے اور قیام اللیل کرنے) سے بہتر ہے، اور جو سرحد کی نگہبانی کرتے ہوئے مرجائے وہ مجاہد کی موت مرے گا، اس کے عمل کا سلسلہ (یعنی ثواب) جاری رہے گا، اور جنت سے اس کی روزی کا اجرا ہوجائے گا، اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ ہوجائے گا۔③

② (اس کی اسناد صحیح ہے، اس کی تخریج ''مشکاۃ'' (۲۷۲۵) میں موجود ہے)

③ (اس کی روایت مسلم وغیرہ نے کی ہے، اور اس کی تخریج ''ارواء'' (۱۲۰۰) میں موجود ہے)

اور سنن میں حضرت عثمان سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: **''..رباط يوم في سبيل الله خير من ألف يوم فيما سواه من المنازل''** اللہ کی راہ میں ایک دن نگہبانی اور چوکیداری کا کام کرنا اس کے سوا ہزار دنوں کے مقامات سے بہتر ہے④ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ⑤ فرماتے ہیں:

میں ایک رات اللہ کی راہ میں نگہبانی اور چوکیداری کروں یہ میرے نزدیک اس بات سے بہتر ہے کہ حجر اسود کے پاس شب قدر میں قیام اللیل کروں۔

④ (میں (البانی) کہتا ہوں: ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور حاکم و ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے اور وہ مختارہ پر میری تعلیق میں (نمبر ۳۰۷) کے تحت مخرج ہے)

⑤ (بلکہ وہ مرفوع ہے، ابن حبان وغیرہ نے اسے اسی طرح بسند صحیح روایت کیا ہے، اور اس کی تخریج ''الصحیحۃ'' (۱۰۶۸) میں موجود ہے)

اسی لئے ہر شخص کے حق میں وہی سرزمین سب سے افضل ہوتی ہے جس میں وہ سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کے حق میں افضل کا فیصلہ تقویٰ وطاعت، خشوع وخضوع اور حضوری (قلب) کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور حضرت ابودرداء نے حضرت سلمان کو لکھا: سرزمین مقدس کی طرف چلے آیئے! تو حضرت سلمان نے انہیں جواب لکھا: ''زمین کسی کو مقدس نہیں بناتی، مقدس تو انسان کو اس کا عمل بناتا ہے۔ اور نبی ﷺ نے حضرت سلمان و ابودرداء کے درمیان اخوت قائم کی تھی، اور سلمان مختلف اشیاء میں ابودرداء سے زیادہ فقیہ تھے جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: (سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ) ''بہت جلد تم لوگوں کو ان فاسقوں کا مقام دکھلاتا ہوں'' اور یہ وہ بستی تھی جہاں عمالقہ رہا کرتے تھے، پھر وہ بعد میں مومنوں کی بستی ہوگئی اور یہ ارض مقدس کا وہی دار ہے جس کی خبر قرآن نے دی ہے، اور ارض مصر جس کا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وارث بنایا۔ لہٰذا شہروں اور بستیوں کا احوال بھی

بندوں کے احوال کی طرح ہے کہ آدمی کبھی مسلم کبھی کافر، کبھی مومن، کبھی فاسق، کبھی متقی پرہیزگار، کبھی فاسق اور کبھی فاجر بد بخت ہوتا ہے۔اسی طرح مساکن پر بھی حکم اپنے سکان کے اعتبار سے لگتا ہے، اس لئے انسان کا مقامِ کفر ومعصیت سے مقامِ طاعت وتوبہ کی طرف ہجرت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کفر ومعصیت سے ایمان وطاعت کی طرف منتقل ہونا اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

(وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ) ''اور جو لوگ اس کے بعد ایمان ئے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا'' (الانفال: ۷۵)

سلف کی ایک جماعت نے فرمایا: اس آیت میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو قیامت تک ایمان لائیں گے اور ہجرت وجہاد کریں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول: (ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) ''جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کا بوت دیا بیشک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے'' (النحل: ۱۱۰) کے معنی میں وہ سبھی لوگ داخل ہیں جنھیں شیطان نے دین کے متعلق فتنے میں ڈال دیا ہو، یا گناہ کا مرتکب بنا دیا ہو پھر وہ گناہوں کو چھوڑ دیں اپنے نفس وغیرہ دشمنوں سے جہاد کریں، اور منافقوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ جہاد کریں، اور دیگر نیکیاں بھی کریں، اور قول یا فعل سے لاحق ہونے والی اذیتوں اور مصیبتوں پر صبر کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فائدہ : مذکورہ بالا تحریر انتہائی بصیرت افروز ہے تاہم چند امور کی طرف توجہ دلانا مناسب سمجھتا ہوں :

۱- اسلام کا عام اصول یہ ہے کہ (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

۲- آج ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرنا قانونی مشکلات کی وجہ سے انتہائی مشکل کام ہے بلکہ ناممکن کے قریب۔

۳- ہمارا ملک ہندوستان دارالامن کہلاتا چلا آیا ہے، یہاں الحمد للہ دینی شعائر کے اظہار اور دینی احکامات پر عمل کی پوری آزادی ہے۔اور اگر کچھ مسائل میں دشواریوں کا سامنا ہے تو وہ تقریباً عالمی مشکلات ہیں اور اکثر مسلم ممالک بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور ان حالات کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں۔

۴- اپنے ملک میں مسلمانوں کو اپنے محلوں میں ہی رہنا چاہیے اور اپنی اسلامی معاشرتی شناخت کی حفاظت کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔اپنی بستی اور اپنے علاقے چھوڑ کر غیر اقوام کے ساتھ رہن سہن اختیار کرنا اور صرف چند مادی سہولتوں کے لئے مسلم محلوں کو چھوڑ دینا شرعی اعتبار سے نہایت ناپسندیدہ اور قابل مواخذہ عمل ہے ایسے مسلمانوں سے ہی رسول اللہ ﷺ نے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

۵- مسلم معاشرے کی خصوصیات کی حفاظت ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی اجتماعی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لئے مسلم معاشروں میں جو لوگ برائیوں، بے حیائیوں اور اخلاقی خرابیوں کو فروغ دینا چاہتے ہوں ان کا ہاتھ پکڑنا اور انہیں مغلوب ومقہور کرنا اسلامی غیرت اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور ایمان کا تقاضا ہے۔

۶- اچھے دوست اور اچھے ماحول کا انتخاب دینی فرائض میں داخل ہے اور برے دوستوں اور برے ماحول کی نحوست سے بچنا ہر مومن کی بنیادی ضرورت ہے۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

باپ، بھائی، چچازاد بھائی اور دیگر رشتہ داروں کو قتل کرنا بھی قیامت کی نشانی ہے

تحریر: فضیلۃ الدکتور سعید بن علی وہف القحطانی حفظہ اللہ　　ترجمانی: رضوان اللہ عبدالرؤف سراجی

الحمد لله والصلوه والسلام على رسول الله وعلى آله وأصحابه ومن اهتدى بهداه 'أما بعد!

۱۴۳۶ھ میں عید الاضحیٰ کے حسین موقع پر کسی خارجی نے اپنے چچا زاد بھائی کو بحث کے دوران قتل کردیا' کیوں کہ اس داعشی نے اپنے چچا زاد بھائی پر اپنے داعشی امیر کی اطاعت کو لازم گردانا' نہ ماننے کی پاداش میں اس نے اسے قتل کردیا' حالانکہ وہ شخص اس داعشی کو اللہ تعالی کا حوالہ دیا' گریہ وزاری کیا' حتی کہ وہ کہتا رہا کہ ''رک جاؤ سعد' مجھے قتل نہ کرو''، لیکن اس جملے کا اس داعشی پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اسے اس نے ماردیا کیوں کہ وہ اپنے چچا زاد بھائی کو داعش کا مخالف سمجھتا تھا۔ ونعوذ باللہ من ذالک۔

نبی محترم ﷺ نے (جن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں بولتے بلکہ جو بھی بولتے ہیں وہ بذریعہ وحی بولتے ہیں) بہت پہلے ہمیں اس بات کی تاکید کردی تھی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آدمی اپنے پڑوسی' بھائی' باپ' چچا اور رشتہ داروں کو قتل کرے گا جیسا کہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يقتُلَ الرَّجُلُ جَارَهُ وأخاه وأباه'' قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ آدمی اپنے پڑوسی' بھائی اور باپ کو قتل کرے گا۔ (الأدب المفرد: ۱۱۸' سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۳۱۸۵' علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الأدب المفرد میں حسن کہا ہے: ۶۹)

ایک دوسرے مقام پر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا: **''إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَهَرْجًا، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: الْقَتْلُ، فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا نَقْتُلُ الْآنَ فِي الْعَامِ الْوَاحِدِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ بِقَتْلِ الْمُشْرِكِينَ، وَلَكِنْ يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، حَتَّى يَقْتُلَ الرَّجُلُ جَارَهُ، وَابْنَ عَمِّهِ وَذَا قَرَابَتِهِ . فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَعَنَا عُقُولُنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا، تُنْزَعُ عُقُولُ أَكْثَرِ ذَلِكَ الزَّمَانِ، وَيَخْلُفُ لَهُ هَبَاءٌ مِنَ النَّاسِ لَا عُقُولَ لَهُمْ' ثُمَّ قَالَ الْأَشْعَرِيُّ: وَايْمُ اللَّهِ، إِنِّي لَأَظُنُّهَا مُدْرِكَتِي وَإِيَّاكُمْ، وَايْمُ اللَّهِ، مَا لِي وَلَكُمْ مِنْهَا مَخْرَجٌ، إِنْ أَدْرَكَتْنَا فِيمَا عَهِدَ إِلَيْنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا أَنْ نَخْرُجَ كَمَا دَخَلْنَا فِيهَا''۔**

قیامت سے پہلے ''ھرج'' ہوگا، میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! ''ھرج'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قتل'' کچھ

مسلمانوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم تو اب بھی سال میں اتنے اتنے مشرکوں کو قتل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مشرکین کا قتل مراد نہیں بلکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو گے، حتیٰ کہ آدمی اپنے پڑوسی، اپنے چچا زاد بھائی اور قرابت داروں کو بھی قتل کرے گا، تو کچھ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہم لوگ عقل و ہوش میں ہوں گے کہ نہیں"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس زمانہ کے اکثر لوگوں کی عقلیں سلب کر لی جائیں گی، اور ان کی جگہ ایسے کم تر لوگ لے لیں گے جن کے پاس عقلیں نہیں ہوں گی' پھر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم اللہ کی! میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ زمانہ مجھے اور تم کو پالے، اللہ کی قسم! اگر ایسا زمانہ مجھ پر اور تم پر آ گیا تو ہمارے اور تمہارے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا، جیسا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے ہمیں وصیت کی ہے، سوائے اس کے کہ ہم اس سے ویسے ہی نکلیں جیسے داخل ہوئے۔(سنن ابن ماجة:۳۹۵۹'سلسلة الأحاديث الصحيحة :۱۶۸۲' علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن ابن ماجة:۳/ ۲۹۸ میں صحیح کہا ہے اور ڈاکٹر شعیب الارناؤوط رحمہ اللہ نے بھی سنن ابن ماجة کی اپنی تحقیق (۳۹۵۹) میں اس حدیث کی سند کو صحیح گردانا ہے)

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا"**إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ الْهَرْجَ ، قُلْنَا: وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: الْقَتْلُ الْقَتْلُ، حَتَّى يَقْتُلَ الرَّجُلُ جَارَهُ، وَابْنَ عَمِّهِ، وَأَبَاهُ، قَالَ: فَرَأَيْنَا مَنْ قَتَلَ أَبَاهُ زَمَانَ الْأَزَارِقَةِ**"۔

قیامت سے پہلے "ھرج" ہوگا، میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! "ھرج" کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:"قتل قتل "حتی کہ آدمی اپنے پڑوسی' چچا زاد بھائی اور باپ کو قتل کرے گا' فرماتے ہیں کہ ہم نے ازارقہ کے زمانے میں اس کو دیکھا جس نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ (مسند أبي يعلى : ۷۲۳۴'اس حدیث کے محقق حسین سلیم اسد نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے)

مذکورہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے اپنے باپ' بھائی' پڑوسی' چچازاد بھائی یا کسی رشتہ دار کو قتل کیا وہ عقل مند نہیں ہے بلکہ اس کی عقل زائل ہو چکی ہے' وہ مانند غبار ہے 'ونعوذ باللہ من ذالک وہ سب سے برا انسان ہے'امام سندی رحمہ اللہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔(سنن ابن ماجة 'بشرح الامام أبى الحسن الحنفى 'المعروف بالسندى، ۴/۳۳۵، توزيع دار المؤيد'بتحقيق الشيخ خليل مأمون شيحا)

جن فتنوں سے اللہ کے رسول ﷺ نے ڈرایا اور بچنے کی تلقین کی ہے یہ ان میں سے ایک ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا"**بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا**"۔

جلدی جلدی نیک کام کرلو، ان فتنوں سے پہلے جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے' صبح کو آدمی ایماندار ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو ایماندار ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا اور اپنے دین کو دنیا کے مال کے بدلے بیچ ڈالے گا۔(صحيح مسلم:۱۱۸)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**مَعْنَى الْحَدِيثِ الْحَثُّ عَلَى الْمُبَادَرَةِ إِلَى الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ تَعَذُّرِهَا وَالِاشْتِغَالِ عَنْهَا بِمَا يَحْدُثُ مِنَ الْفِتَنِ**

الشَّاغِلَةِ الْمُتَكَاثِرَةِ الْمُتَرَاكِمَةِ كَتَرَاكُمِ ظَلَامِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ لَا الْمُقْمِرِ وَوَصَفَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوْعًا مِنْ شَدَائِدِ تِلْكَ الْفِتَنِ وَهُوَ أَنَّهُ يُمْسِي مُؤْمِنًا ثُمَّ يُصْبِحُ كَافِرًا أَوْ عَكْسُهُ شَكَّ الرَّاوِي وَهَذَا لِعِظَمِ الْفِتَنِ يَنْقَلِبُ الْإِنْسَانُ فِي الْيَوْمِ الْوَاحِدِ هَذَا الِانْقِلَابَ "۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ انسان فتنے کا شکار ہو نیک عمل کرلے خواہ وہ مجبوری کا فتنہ ہو مشغولیت کا فتنہ ہو چاندنی رات کی طرح نہیں بلکہ تاریک راتوں کے حصوں کی طرح مال و دولت کی چاہت کا فتنہ ہو، نبی ﷺ نے ان فتنوں کی ایک قسم یہ بیان کیا ہے کہ صبح کو آدمی ایماندار ہوگا اور شام کو کافر یا شام کو ایماندار ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا' یہ ایسا خطرناک فتنہ ہوگا کہ انسان ایک ہی دن میں اس کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔(شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۳۳/۲)

سب سے بڑا فتنہ وہ فتنہ ہے جس نے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کردیا اور جس نے اسلام کی صحیح صورت کو مسخ کردیا' اور یہ وہی فتنہ ہے جسے آج خوارج انجام دے رہے ہیں اور جنہیں آج داعش کے نام سے جانا جاتا ہے' انہوں نے اسلام کے نام پر ہر وہ کام کیا جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا ہے اور اس طرح سے انہوں نے اسلام کی شبیہ بگاڑ دی اور اسلام کو بدنام کردیا' انہیں کی بابت نبی ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ نوعمر اور بیوقوف ہوں گے' ان کی عقل میں فتور ہوگا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو کہتے ہوئے سنا:

"سَيَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ، فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا، لِمَنْ قَتَلَهُمْ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"۔

اخیر زمانہ قریب ہے جب ایسے لوگ مسلمانوں میں نکلیں گے جو نوعمر بیوقوف ہوں گے (ان کی عقل میں فتور ہوگا) ظاہر میں تو ساری خلق کے کلاموں میں جو بہتر ہے (یعنی حدیث شریف) وہ پڑھیں گے مگر درحقیقت ایمان کا نور ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جیسے تیر شکار کے جانور سے پار نکل جاتا ہے۔(اس میں کچھ لگا نہیں رہتا) تم ان لوگوں کو جہاں پانا بے تامل قتل کرنا، ان کو جہاں پاؤ قتل کرنے میں قیامت کے دن ثواب ملے گا۔(صحیح بخاری: ۶۹۳۰، صحیح مسلم :۱۰۶۶)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت میں "أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ" کا معنی ہے "مَعْنَاهُ صِغَارُ الْأَسْنَانِ صِغَارُ الْعُقُولِ" نوعمر اور کم عقل ہونا۔(شرح النووی علی مسلم:۱۶۹/۷)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا "يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ، وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَنْظُرُ فِي الرِّيشِ فَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَتَمَارَى فِي الْفُوقِ"۔

تم میں ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہیں اپنے روزے اور ان کے عمل کے مقابلہ میں تمہیں اپنا عمل حقیر نظر آئے گا اور وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کریں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے اور وہ بھی اتنی صفائی کے ساتھ (کہ تیر چلانے والا) تیر کے پھل میں دیکھتا ہے تو اس میں بھی (شکار کے خون وغیرہ کا) کوئی اثر نظر نہیں آتا' اس سے اوپر دیکھتا ہے وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ تیر کے پر کو دیکھتا ہے اور وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا' بس سوفار میں کچھ شبہ گزرتا ہے۔(صحیح بخاری:۵۰۵۸،صحیح مسلم:۱۰۶۴)

اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''بَعَثَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ الأَرْبَعَةِ الأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الحَنْظَلِيِّ، ثُمَّ المُجَاشِعِيِّ، وَعُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الفَزَارِيِّ، وَزَيْدٍ الطَّائِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ، وَعَلْقَمَةَ بْنِ عُلاَثَةَ العَامِرِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلاَبٍ ، فَغَضِبَتْ قُرَيْشٌ، وَالأَنْصَارُ، قَالُوا: يُعْطِي صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا، قَالَ: إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ. فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ العَيْنَيْنِ، مُشْرِفُ الوَجْنَتَيْنِ، نَاتِئُ الجَبِينِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ مَحْلُوقٌ، فَقَالَ: اتَّقِ اللَّهَ يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ:مَنْ يُطِعِ اللَّهَ إِذَا عَصَيْتُ؟ (وفی لفظ مسلم:''فَمَنْ يُطِعِ اللهَ إِنْ عَصَيْتُهُ'') أَيَأْمَنُنِي اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الأَرْضِ فَلاَ تَأْمَنُونِي' فَسَأَلَهُ رَجُلٌ قَتْلَهُ،-أَحْسِبُهُ خَالِدَ بْنَ الوَلِيدِ - فَمَنَعَهُ، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ:إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، أَوْ: فِي عَقِبِ هَذَا قَوْمًا يَقْرَءُونَ القُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلاَمِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ، لَئِنْ أَنَا أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ''۔

علی رضی اللہ عنہ نے (یمن سے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا تو آپ ﷺ نے اسے چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا، اقرع بن حابس حنظلی ثم المجاشعی، عیینہ بن بدر فزاری، زید طائی بنی نبہان والے اور علقمہ بن علاثہ عامری بنو کلاب والے، اس پر قریش اور انصار کے لوگوں کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے نجد کے بڑوں کو تو دیا لیکن ہمیں نظر انداز کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف ان کے دل ملانے کے لیے انہیں دیتا ہوں (کیونکہ ابھی حال ہی میں یہ لوگ مسلمان ہوئے ہیں) پھر ایک شخص سامنے آیا، اس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، کلے پھولے ہوئے تھے، پیشانی بھی اٹھی ہوئی، داڑھی بہت گھنی تھی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے کہا اے محمد! اللہ سے ڈرو آپ ﷺ نے فرمایا، اگر میں ہی اللہ کی نافرمانی کروں گا تو پھر اس کی فرمانبرداری کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین پر دیانت دار بنا کر بھیجا ہے۔ کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ اس شخص کی اس گستاخی پر ایک صحابی نے اس کے قتل کی اجازت چاہی، میرا خیال ہے کہ یہ خالد بن ولید تھے، لیکن آپ ﷺ نے انہیں اس سے روک دیا، پھر وہ شخص وہاں سے چلنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص کی نسل سے یا (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) اس شخص کے بعد اسی کی قوم سے ایسے لوگ جھوٹے مسلمان پیدا ہوں گے، جو قرآن کی تلاوت تو

کریں گے، لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے، یہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میری زندگی اس وقت تک باقی رہے تو میں ان کو اس طرح قتل کروں گا جیسے قوم عاد کا (عذاب الٰہی سے) قتل ہوا تھا کہ ایک بھی باقی نہ بچا۔(صحیح بخاری:۳۳۴۴، صحیح مسلم :۱۰۶۴)

امام نووی رحمہ اللہ ''لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ'' کا معنی بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ''أَيْ قَتْلًا عَامًّا مُسْتَأْصِلًا كَمَا قَالَ تَعَالَى فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ باقية''۔

یعنی ایسا قتل کروں کہ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکوں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ''تو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی دیکھ رہے ہو۔(شرح النووی علی مسلم:۱۶۲/۷)

اوران خوارج پر افسوس اور ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:{وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا}

جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا' اوراس پر اللہ کا غضب اوراس کی لعنت نازل ہوگی، اوراس کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(النساء:۹۳)

اوراسی مفہوم کی ایک حدیث ہے جس میں براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ''۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی مومن کا ناحق قتل ساری دنیا کے زوال اور تباہی سے کہیں بڑھ کر ہے۔(سنن ابن ماجة :۲۶۱۹'جامع الترمذی :۱۳۹۵'سنن النسائی : ۳۹۸۷'صحیح الترغیب والترھیب ۳۱۵/۲ میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے)

لہٰذا ہر مسلمان اپنے آپ کو ان فتنوں سے بچائے اوران سے دوری اختیار کرے نیز ان فتنوں میں جو لوگ ملوث ہیں ان کے قریب نہ جائے کیوں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا ''سَتَكُونُ فِتَنٌ القَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ القَائِمِ وَالقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ المَاشِي، وَالمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، وَمَنْ يُشْرِفْ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، وَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ''۔

فتنوں کا دور جب آئے گا تو اس میں بیٹھنے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا جو اس میں جھانکے گا فتنہ بھی اسے اچک لے گا اوراس وقت جسے جہاں بھی پناہ مل جائے بس وہیں پناہ پکڑ لے تاکہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا سکے۔(صحیح بخاری :۳۶۰۱'صحیح مسلم:۲۸۸۶)

اور ہمیں نبی ﷺ نے ظاہری و باطنی ہر طرح کے فتنوں سے پناہ مانگنے کی تلقین کیا جیسا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ 'قَالُوا: نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ''۔

ظاہری و باطنی ہر طرح کے فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب

کرو، لوگوں نے کہا: ہم ہر طرح کی ظاہری وباطنی فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔(صحیح مسلم:۲۸۶۷)

چونکہ نبی ﷺ کو اپنے آپ پر خوف تھا اسی لئے انہوں نے اپنے آپ کو ان فتنوں سے بچایا اور اپنی امت کو بچنے کی تلقین کی اور تمام مسلمانوں پر نبی ﷺ کی اقتدا کرنا واجب اور ضروری ہے کیوں کہ یہ نبی ﷺ کا حق ہے، اسی لئے ہر مسلمان اپنے آپ کو فتنوں سے بچائے اور اس راستے میں نبی ﷺ کو اپنا اسوہ بنائے، نبی ﷺ نے فتنوں سے بچنے کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں انہیں اپنائے مثلا:۔

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ اکثر کہا کرتے تھے: "**يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، آمَنَّا بِكَ وَ بِمَاجِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟ قَالَ:نَعَمْ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ**"۔

اے دلوں کے الٹنے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ، میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم لوگ آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لے آئے کیا آپ کو ہمارے سلسلے میں اندیشہ رہتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں جیسا چاہتا ہے انہیں الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔(جامع الترمذی :۲۱۴۰، مسند احمد : ۱۹ /۱۶۰، ۱۲۱۰۷، علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الترمذی (۲۱۴۰) میں صحیح کہا ہے، نیز یہی روایت جامع الترمذی : (۳۵۲۲) میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اور مسند احمد (۲۶۶۰۴) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے)

اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "**إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ، يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اللهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ**"۔

آدمیوں کے دل اللہ تعالی کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں، وہ ان کو پھراتا ہے جس طرح چاہتا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔(صحیح مسلم : ۲۶۵۴)

مجھے امید ہے کہ ان احادیث کو جاننے کے بعد ہر کوئی اس پر عمل کرے گا نیز ان احادیث اور ان کے معانی ومفاہیم پر غور و فکر کرے گا۔

اللہ تعالی ہمیں ان ظاہری و باطنی فتنوں سے بچائے، ہمارے نفس کی برائیوں سے بچائے، شیطانی کچوکے سے بچائے، دشمنان اسلام کی مکاری اور ان کے پنجۂ استبداد سے اللہ تعالی حرمین شریفین کی حفاظت کرے، ہر بے کار اور فعل عبث سے بچائے، ہر طرح کی برائی سے بچائے، اللہ تعالی امراء وسلاطین کو کارخیر کی توفیق دے، انہیں برائیوں سے دور رکھے، ان کی اصلاح کرے، اسلام اور مسلمانوں کی مدد کے لئے ان کی مدد کرے، تمام اسلامی امراء وحکام کو عمل بالکتاب والسنہ کی توفیق دے۔(آمین)

وصلی الله وسلم وبارک علی نبینا محمد ﷺ وعلى آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان الى يوم الدين ۔

❖ ❖ ❖

آئینۂ جمعیت و جماعت

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

شیخ عبدالسلام سلفی۔حفظہ اللہ۔ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) نے 9/10 مارچ کو مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی، مرکزی جمعیت کی اس کانفرنس میں 9/ مارچ کو آپ کا تاثراتی خطاب ہوا، 11/ مارچ کو آپ نے میرا روڈ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس میں خطاب کیا، 18/ مارچ کو کاشی میرا (میرا روڈ) کے ایک پروگرام میں تقریر کی، 19/ مارچ کو کوکن (پانچل) میں اتفاق واتحاد کے موضوع پر خطاب کیا، 20/ مارچ کو کولا پور میں استقامت کے موضوع پر آپ کا فکر انگیز بیان ہوا، 23/ مارچ کو تلولی میں خطاب کیا، 25/ مارچ کو نڑیاد (گجرات) میں شہری جمعیت اہل حدیث نڑیاد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس میں (بوقت صبح) مصیبتوں میں نجات کا راستہ کے موضوع پر خطاب کیا، اور اسی دن شام کو گونڈوی (ممبئی) میں خطاب کیا، نیز 30/ مارچ کو واپی (گجرات) میں آپ کا خطاب ہوا۔

شیخ محمد مقیم فیضی۔حفظہ اللہ۔ (نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) کا 3/ مارچ کو نیرُل میں "صحابہ کرام کا جذبہء عمل" کے موضوع پر خطاب ہوا، 8/9 مارچ کو آپ نے رام لیلا میدان، دہلی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کی، 11/ مارچ کو ممبرا میں "تحفظ اخلاق کانفرنس" میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا، 18/ مارچ کو آپ کا کلوا (ضلع تھانے) میں پروگرام ہوا جس میں آپ کا موضوع تھا "نیکیوں کی اہمیت" اور 22/ مارچ کو کلیان کی ایک مسجد شافعی میں "اسلام میں اخلاق کی اہمیت" کے موضوع پر تقریر کی۔

شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی۔حفظہ اللہ۔ نے 3/ مارچ کو شولا پور (کرناٹک) میں جمعیت اہل حدیث شولا پور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے پروگرام میں "فہم دین میں سنت کی اہمیت وضرورت" کے موضوع پر خطاب کیا، 4/ مارچ کو پونے کی مسجد اقصیٰ میں "اسبابِ زوالِ امت" کے موضوع پر تقریر کی، 10/ مارچ کو رام لیلا میدان، دہلی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس میں "خود کش حملوں کی حرمت نصوص شرعیہ کی روشنی میں" کے عنوان پر آپ کا خطاب ہوا، 18/ مارچ کو اورنگ آباد کی مسجد اہل حدیث میں "شرح کشف الشبہات" پر درس ہوا، 25/ مارچ کو نڑیاد میں شہری جمعیت اہل حدیث نڑیاد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس میں آپ کے دو خطاب ہوئے، پہلا صبح کو "طلاق ثلاثہ اور اس کا شرعی حل" کے موضوع پر اور دوسرا شام کو بعنوان "اتباع کس کی اور کیسے"، نیز 31/ مارچ کو آپ نے جئے پور (راجستھان) میں "بدعت کی حقیقت" کے موضوع پر

تقریر کی۔

شیخ کمال الدین سنابلی -حفظہ اللہ- نے 1/ مارچ کو اوکھلا، بٹلہ ہاؤس (دہلی) میں جماعت اہل حدیث کے بعض نوجوانوں کے ساتھ دہلی میں دعوتی سرگرمیوں پر تبادلہ خیال کیا اور دعوت کی اہمیت پر مختصر درس دیا، 2/ مارچ کو جامع مسجد اہل حدیث وزیر آباد (دہلی) میں خطبہ جمع کے فرائض انجام دیے، 4/ مارچ کو اپنے قصبہ گنّور (مغربی یوپی) میں جماعت اہل حدیث کے دو اداروں مدرسہ محمدیہ اور ابوالکلام آزاد پبلک اسکول کا دورہ کرکے طلباء کی تعلیم کا جائزہ لیا، نیز اسی شام درس دیا، 9/ مارچ کو آپ نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس میں "جانوروں کے ساتھ ہمدردی اور اسلام" کے موضوع پر خطاب کیا، 17/ مارچ کو کلیان (ممبئی) میں تقریر کی، 18/ مارچ کو لودھا پلازہ، یوکون کلب ہاؤس (ممبرا سے آگے) میں خطاب کیا، اور 27/ مارچ کو مسجد اہل حدیث فیت والا کمپاؤنڈ (کرلا ویسٹ) میں "آیۃ الکرسی" کی تفسیر بیان کی۔

شیخ سرفراز فیضی -حفظہ اللہ- کا 3/ مارچ کو جامع مسجد اہل حدیث سورت (گجرات) میں خطاب ہوا، 11/ مارچ کو کوکنی شادی گراؤنڈ نالاسوپارہ میں عظمتِ مدارس کانفرنس میں خطاب کیا، 17/ مارچ کو مسجد دار القرآن والسنۃ، چیمبور میں آپ کی تقریر ہوئی، 18/ مارچ کو مسجد توحید، کھار گھر میں آپ کا بیان ہوا اور 25/ مارچ کو مسجد اہل حدیث، لوٹس، ورلی میں آپ کا خطاب ہوا۔

❖ ❖ ❖

خرچ کرو اللہ کی راہ میں پاکیزہ مال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَصَدَّقُوا فَيُوشِكُ الرَّجُلُ يَمْشِي بِصَدَقَتِهِ، فَيَقُولُ الَّذِي أُعْطِيَهَا لَوْ جِئْتَنَا بِهَا بِالْأَمْسِ قَبِلْتُهَا، فَأَمَّا الْآنَ فَلَا حَاجَةَ لِي بِهَا، فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا".

"صدقہ دو قریب ہے کہ ایسا وقت آجائے گا کہ آدمی اپنا صدقہ لے کر نکلے گا اور جس کو دینے لگے گا وہ کہے گا اگر تم کل لاتے تو میں لے لیتا مگر آج تو مجھے حاجت نہیں ہے غرض کوئی نہ ملے گا جو اسے قبول کرلے"۔ (مسلم، حدیث نمبر:2337)

دوسری جگہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

"أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا."

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور نہیں قبول کرتا مگر پاک مال کو (یعنی حلال کو)"۔ (مسلم، حدیث نمبر:2346)

نیز مال کی محبت کے باوجود انسان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ مال کی حرص تو کبھی ختم ہونے والی ہے نہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَتَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ: الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ، وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ".

"ابن آدم بوڑھا ہوتا ہے اور اس میں دو چیزیں جوان رہتی ہیں مال کی حرص اور عمر کے بڑھنے کی حرص"۔ (مسلم، حدیث نمبر:2412)

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
April 2018

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمد للہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کررہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈ بل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- ہر ماہ الجماعہ کی اشاعت۔
- مفت کتابوں کی تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

Published by :
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com